فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ (الاعراف :70)

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔

چہ گویم فضلِ اُو بر من چگون است — کہ فضل اوست ناپیدا کنارے

میں کیا بتاؤں کہ مجھ پر اس کا فضل کس طرح کا ہے کیونکہ اس کا فضل تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔

عنایتہائے اُو را چوں شمارم — کہ لطف اُوست بیروں از شمارے

میں اس کی مہربانیوں کو کیونکر گنوں کہ اس کی مہربانیاں تو حدّ سے باہر ہیں۔

بشیر احمد قمؔر (شاہد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

خاکسار پر اللہ تعالیٰ کے اَن گنت احسانات ہیں۔ سب سے بڑا یہ کہ میں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوا جس کو ماموریِ زمانہ حضرت مسیحِ موعودؑ کو پہچاننے اور قبول کرنے کی سعادت مل چکی تھی۔ میرے دادا جان مکرم عطا محمد صاحب موضع چارکوٹ تحصیل و ضلع راجوری کی ریاست جموں کے ان ابتدائی احمدیوں میں سے ہیں جن کو حضرت مسیحِ موعودؑ کے زمانۂ حیات میں قبول احمدیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان احمدیوں کو بڑی مخالفت اور ابتلاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ساتھ کے ساتھ کئی آسمانی نشانات و تائیداتِ الٰہی ظاہر ہو کر ان کی تقویت ایمان کا موجب بھی ہوتے رہے۔ جماعت وہاں ترقی کرتی رہی اور مخالفین کے حصہ میں ذلت و رسوائی آئی۔ میرے والدین پیدائشی احمدی ہیں اور ہمارے خاندان میں پانچویں نسل احمدیت میں جاری ہے۔ الحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ تا قیامت اس نعمتِ خداوندی کا ان میں سے ہر چھوٹے بڑے مرد و زن کو قدر دان بننے کی توفیق بخشتا چلا جائے۔ آمین

والد صاحب کا نام عبد الکریم تھا۔ آپ عالمِ جوانی میں وفات پا گئے۔ آپ باقاعدہ کسی سکول وغیرہ میں نہ پڑھے تھے لیکن اپنی محنت اور کوشش سے اردو پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ اردو اچھی طرح پڑھ لیتے تھے البتہ لکھنے کی مشق نہ تھی۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ قادیان اکثر جلسہ سالانہ پر جایا کرتے تھے اور سلسلہ کی کوئی نہ کوئی کتاب خرید کر لایا کرتے تھے۔ کتابوں کے لئے خاص طور پر ایک الماری بنوائی ہوئی تھی اور ان کی حفاظت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ رات کو دیر تک مطالعہ کرتے تھے اور صبح کے وقت تلاوتِ قرآنِ کریم باقاعدہ فرماتے

تھے۔ایک دفعہ مجھ سے قرآنِ کریم سننا شروع کیا۔ میں نے غلطیاں کیں تو بہت سخت سست کہا اور سزا بھی دی اور یہ فرماتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے کہ میری تو خواہش تھی کہ خوبصورت آواز سے تلاوت کرے گا۔ اپنی زندگی میں آپ نے صرف ایک ہی دفعہ مجھے قرآنِ کریم کو صحیح اور اچھی آواز میں نہ پڑھنے پر سزا دی۔ یہ آپ کی پہلی اور آخری سزا تھی۔

یومِ تبلیغ کے موقع پر مجھے 'تبلیغِ ہدایت' کے بعض حصے پڑھا کر دوسرے بزرگوں کے ساتھ تبلیغ کے لئے بھیج دیتے تھے کہ یہ حصے تو نے پڑھ کر سنانے ہیں اور کبھی اپنے ساتھ بھی لے جاتے تھے اور اپنی موجودگی میں مجھ سے مجلس میں پڑھواتے تھے۔ پرائمری سکول کا زمانہ تھا اور اگرچہ وہ دلائل مجھے سمجھ میں نہ آتے تھے مگر چونکہ آپ مجھے وقف کرنا چاہتے تھے اس لئے اسی نہج پر میری تربیت کرنے کی کوشش کی۔ نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی کے ساتھ تہجد بھی ادا کرتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تہجد میں قیام کی حالت میں اونچی آواز سے قرآنی دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ......الخ کی دعا مجھے اس زمانہ کی یاد ہے۔ اسی طرح حضرت مسیحِ موعودؑ کے اردو کلام سے وہ دعائیہ اشعار اکثر ترنم سے پڑھا کرتے تھے جو اولاد کے بارہ میں ہیں۔ اس زمانہ کے بعض مصرعے اور اشعار مجھے یاد ہیں جو والد صاحب پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً:

سب کام تو بنائے لڑکے بھی تجھ سے پائے　　سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے

میری دعائیں ساری کریو قبول باری　　میں جاؤں تیرے واری کر تو مدد ہماری

میرے وقف اور تربیت میں میرے والد صاحب کی نیک خواہش اور دعاؤں کا بہت بڑا دخل ہے۔ آپ جہاں خود دعائیں کرتے، قرآنی دعاؤں کے ساتھ ساتھ حضرت مسیحِ موعودؑ کے دعائیہ منظوم کلام بحق اولاد اکثر بلند آواز سے پڑھتے اور میرے ہوش سنبھالنے پر میرے سامنے بھی میرے مبلغ بننے کی خواہش کا ذکر کرتے، وہاں دوستوں اور ملنے والے بزرگوں کو بھی تحریکِ دعا کرتے رہتے تھے۔ اب تک ان میں سے جو زندہ ہیں ان کے اس جذبہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

والد صاحب کے ہمراہ قادیان کا سفر

1946ء کے جلسہ سالانہ میں قادیان میں شمولیت کے لئے مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ گجرات تک پیدل سفر تھا۔ جلسہ سے چند دن پہلے ہم عشاء کے بعد قادیان کی مبارک بستی میں رات کے وقت داخل ہوئے۔ بالکل خاموشی تھی۔ ایک دوست سائیکل پر جا رہے تھے اُن سے لنگر خانہ کا راستہ پوچھا گیا۔ انہوں نے راہنمائی کی۔ اس بستی میں پہلی دفعہ داخل ہونے پر جو بات آج تک مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوست جن سے ملاقات کا ذکر کیا ہے وہ اونچی آواز سے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ وہ نظارہ بھی اب تک مجھے یاد ہے۔ وہ پڑھ رہے تھے صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (ﷺ)۔

ایک دن والد صاحب کہیں یہ اعلان سن کر آئے یا پڑھ کر آئے کہ مسجد اقصیٰ میں ایک مبلغ صاحب کی اطفال الاحمدیہ سے ملاقات ہے اور یہ بزرگ لندن سے آئے ہیں۔ وہ مبلغ حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب تھے جو کئی سال کے بعد واپس آئے تھے۔ والد صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک مبلغ صاحب لندن سے سالہا سال دعوت الی اللہ کرنے کے بعد واپس آئے ہیں اُن سے تمہاری ملاقات کروانی ہے۔ جب مجھے لے کر وہاں پہنچے تو مسجد اقصیٰ کے صحن میں چند اطفال بیٹھے تھے۔ ایک بزرگ کرسی پر بیٹھے تھے شمال کی طرف اُن کا رُخ تھا۔ انہوں نے کیا فرمایا مجھے کچھ یاد نہیں۔ لیکن والد صاحب نے میرے اندر وقف کی روح کو زندہ رکھنے کے لئے یہ کیا۔

پھر ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت شمس صاحب کے مبارک خاندان سے میرا جسمانی تعلق بھی ہوا کہ اُن کی حقیقی بھانجی سے میری شادی ہوئی اور حضرت شمس صاحب نے ہی نکاح پڑھایا۔ الحمدللہ۔

قادیان سے واپسی براستہ سیالکوٹ اور جموں ہوئی۔ دوران سفر ایک دن عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ والد صاحب نے اپنے قافلہ کے افراد کو جو اپنے ہی خاندان کے افراد

تھے فرمایا کہ یہ جنگل ہے اور جہاں ہم نے رات کو قیام کرنا ہے وہ جگہ دور ہے۔اس لئے ہم چلتے چلتے اشارہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔راستہ میں جہاں بھی رات کو ٹھہرتے تھے وہاں بھی با جماعت نماز پڑھتے اور جو غیر احمدی اجنبی ہمارے مہمان نواز ہوتے ان کو بھی تبلیغ کرتے۔ جس دن گھر پہنچے عصر کے بعد کا وقت تھا۔ ہمارے گھر الگ الگ اپنی اپنی زمین پر ہوتے تھے۔آپ نے مجھے باہر ایک جگہ ٹھہرنے کو کہا اور فرمایا کہ دیکھتے ہیں تیری ماں کیا کہتی ہے۔ اور خود اکیلے گھر چلے گئے۔والد صاحب کو اکیلا دیکھ کر والدہ نے میرے متعلق پوچھا کہ بشیر کہاں ہے؟انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا کہ پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔وہ سمجھیں کہ قادیان چھوڑ آئے ہیں۔ پریشان ہوگئیں۔ان کو پریشان اور مغموم دیکھ کر مجھے آواز دی۔مَیں جب اندر آیا تو وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوگئیں۔ایسے موقع پر جو جذبات ماؤں کے ہوتے ہیں اس کا اظہار ہوا اور آخر والد صاحب کی خواہش کو میری والدہ نے ان کی وفات کے بعد نہایت کٹھن اور مشکل حالات میں پورا کیا۔اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور ہماری دعائیں ان کو پہنچتی رہیں۔(آمین ثم آمین)

والد صاحب کی آخری وصیت

1947ء میں والد صاحب عالم جوانی میں فوت ہوگئے۔کئی دن بیہوشی اور غشی کی حالت میں رہے لیکن وفات سے چند گھنٹے پہلے پوری طرح ہوش میں آگئے۔سب خوش اور پُرامید کہ خدا نے فضل کیا۔ چہرہ پر بڑی رونق آگئی۔اس دوران میری والدہ صاحبہ کو اپنے پاس بلا کر وصیت کے رنگ میں کہا کہ بشیر کو پڑھانا ہے خواہ گائے بھینس اور گھر کی چیزیں فروخت کرنا پڑیں۔والدہ صاحبہ نے کہا کہ اب آپ ٹھیک ہورہے ہیں۔انشاءاللہ ضرور ایسا کریں گے۔آپ نے پھر کہا کہ یہ میری وصیت ہے۔اور تھوڑی دیر بعد آپ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن ۔

میری والدہ مرحومہ کی قربانی

میری والدہ ماجدہ کا نام محمد بی بی تھا۔آپ والد صاحب کی وفات کے پانچ سال بعد 1952ء میں رفیوجی کیمپ چک جمال ضلع جہلم میں فوت ہوئیں اور وہاں ہی دفن ہوئیں۔آپ کے پانچ چھ بچے فوت ہوئے کچھ والد صاحب کی زندگی میں اور کچھ آپ کی وفات کے بعد۔ والد صاحب کی وفات کے بعد چھ ماہ کے اندر میرا چھوٹا بھائی خلیل احمد فوت ہو گیا جو بہت خوبصورت اور صحت مند تھا اور پھر جلد کشمیر میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ گھر بار چھوڑنا پڑا۔ ایک دن کے سفر کے بعد میں سخت بیمار ہو گیا۔ خونی پیچش اور بیہوشی کا شکار رہا، بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے لمبی بیماری کے بعد شفا دی۔ یہ بیماری اور پردیس کی بے سروسامانی میری والدہ کے لئے بہت بڑا ابتلا تھا۔ جس دن میں ہسپتال سے فارغ ہو کر مانسر (رفیوجی کیمپ ضلع کیمبل پور) میں اپنی رہائش گاہ پر کسی کے ساتھ آرہا تھا، راستہ میں دو چار پائیاں اٹھائے جماعت کے دوست ملے اور بتایا گیا کہ میری والدہ اور چھوٹا بھائی شدید بیمار ہیں۔ اسی رات ہسپتال میں میرا پیارا بھائی مشتاق احمد فوت ہو گیا۔ صبح والدہ بیماری کی حالت میں اس کا جنازہ لے کر بیرک میں آگئیں۔ بے انتہا غم۔ مجھے تو تسلی دیتیں لیکن خود علیحدگی اور راتوں کی تاریکی میں مَیں اُن کو روتے سنتا۔ اس حادثہ کے چند دنوں بعد میری ایک شادی شدہ بہن نذیر بیگم گوجرانوالہ رفیوجی کیمپ میں جوانی کے عالم میں فوت ہو گئی۔ میری والدہ نے یہ سب صدمات بڑے صبر سے برداشت کئے۔ اتنے سارے صدمات کے باوجود ایک دن مجھے فرمانے لگیں کہ تمہارے والد صاحب کی آخری وصیت تمہاری پڑھائی کے متعلق ہے اس لئے تم حضور کو خط لکھو اگر وہ تمہیں قبول کریں تو تم جاؤ اور مبلغ بن کر اپنے والد صاحب کی آخری خواہش اور وصیت پوری کرو۔ یہ ایک عورت ذات اور ماں کی بڑی جرأت تھی کہ دو تین بچے تھوڑے ہی عرصہ میں فوت ہو گئے۔ بیوگی کی حالت ہے۔ اب ایک ہی بیٹا اور چھوٹی سی چند سال کی بچی ہے۔ وطن سے بے وطن ہے۔ اور اب

اس بیٹے کو اپنی مرضی سے اپنے خاوند کی وصیت پوری کرتے ہوئے جدا کرنے کو تیار ہو گئیں۔

ان حالات میں بعض بزرگوں اور عزیزوں نے مشورہ دیا کہ ایسے حالات میں مجھے ربوہ نہ بھیجا جائے۔شاید وہ سمجھتے تھے کہ اس کی جدائی سے ان کی صحت پر برا اثر نہ پڑے۔ لیکن آپ نے اپنے خاوند کی آخری خواہش اور وصیت کو پورا کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔ اگر چہ میری جدائی کے خیال سے غمزدہ بھی تھیں۔ایک دن میں نے ان کو الگ بیٹھے روتے ہوئے دیکھا۔ وجہ پوچھنے پر پہلے تو ٹالتی رہیں پھر کہنے لگیں کہ بعض رشتہ داروں نے مجھے تمہارے جامعہ میں بھیجنے پر مجھے روکا تھا اور میرے اصرار پر مجھ سے ناراض ہوئے کہ ہماری بات نہیں مانتی۔ وہاں کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھیں گے کہ یہ کہاں سے مولوی فاضل بن کر آئے گا؟ یہ بات سنا کر مجھے کہا کہ تم کو وہاں ضرور جانا ہے اور محنت سے پڑھنا ہے اور مولوی فاضل پاس کرنا ہے۔ یہ تمہارے باپ کی وصیت ہے۔افسوس ہے کہ میری والدہ مجھے مولوی فاضل بنا ہوا نہ دیکھ سکیں۔

والدہ کی حسنِ تربیت کا ایک یادگار واقعہ

ایک دفعہ میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ہی گاؤں کے ایک رشتہ دار کے گھر گیا۔ گھر کے سربراہ نے جو باہر صحن میں بیٹھے تھے مجھے اندر سے ایک کتاب لانے کو کہا۔ وہ بڑی سی کتاب تھی۔ میں بڑی احتیاط سے اس کو اپنے سینہ کے ساتھ لگا کر لایا اور ان کو دے دی۔ وہ اس کتاب کی ورق گردانی کرتے رہے۔ پھر کہا کہ اس میں ایک چونّی (چار آنے کا سکّہ) تھی وہ نہیں مل رہی۔ اس دوران ہم اپنے گھر چلے گئے جو اُن کے گھر سے کوئی پون میل کے قریب دور تھا۔ گھر پہنچ کر والدہ صاحبہ نے مجھے اندر سے ایک برتن لانے کو کہا۔ میں جب جھک کر اس کو اُٹھانے لگا تو میری آدھی اُدھڑی ہوئی جیب سے چونّی گری۔ سلور کے برتن پر گرنے کی وجہ سے اس سے ٹھن کی آواز آئی۔ باہر صحن میں والدہ صاحبہ نے یہ آواز سنی۔ ان کے دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ چونّی ہے۔ والدہ صاحبہ نے اسی وقت مجھے فرمایا کہ ابھی واپس جاؤ اور اُن کو دے آؤ۔ آدھ پون میل کا فاصلہ تھا، سورج غروب ہونے والا تھا اور

درمیان میں کچھ جنگل اور ویرانہ بھی تھا۔ میں دوڑتا ،کانپتا اور ڈرتا ہوا گیا۔ اُن بزرگ کی ناراضگی کا بھی ڈر تھا۔ بہر حال میں نے آ کر اُن کو سارا واقعہ سنایا۔ وہ بھی سمجھ گئے کہ یہ عمداً نہیں لے کر گیا۔ لیکن میری والدہ نے میری عجیب رنگ میں تربیت کی۔ یہ واقعہ ابھی تک مجھے اس طرح یاد ہے جیسے کل کا واقعہ ہو حالانکہ اس پر تقریباً ساٹھ سال گزر چکے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَارْحَمْھَا۔

یہاں یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ چوّنی میری جیب میں کیسے آئی؟ جیسا کہ میں نے بتایا ہے وہ چوّنی کتاب میں رکھی ہوئی تھی۔ میں نے کتاب اپنے سینہ سے لگا رکھی تھی۔ وہ اس میں سے جیب میں گر گئی۔ جس کا مجھے اس وقت احساس نہیں ہوا۔

والدہ کی ایک حسین خواہش:۔

مجھے یاد ہے میں پانچ چھ سال کا تھا اپنی والدہ کے پاس بیٹھا تھا۔ میرے تایازاد بھائی گھر کے دوسرے افراد کو عشاء یا مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے۔ میری والدہ نے مجھے اس وقت آواز دے کر کہا کہ تم بھی کبھی بڑے ہو کر نماز پڑھاؤ گے اور میں تجھے نماز پڑھاتے ہوئے دیکھوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حسین تمنا کو بھی پورا کر دیا لیکن وہ مجھے نماز پڑھاتے یا تقریر کرتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ان کی اس تمنا اور دعا کا ان کو اپنی رضا کی صورت میں بدلہ دے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین

بہر حال میں نے والدہ کی ہدایت پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں خط لکھا اور چند دنوں بعد نظارت تعلیم کی طرف سے ایک کارڈ ملا جس پر مکرم عبدالسلام صاحب اختر مرحوم کے دستخط تھے کہ تم فلاں تاریخ کو انٹرویو اور داخلہ کے لئے ربوہ آ جاؤ۔ اس پر سب رشتہ داروں کو تعجب ہوا اور میری والدہ کو ازراہِ ہمدردی نرمی سے بھی اور سختی سے بھی مشورہ دیا کہ اس کو نہ بھیجو۔ تُو ایک بیوہ عورت ہے اور تیرا ایک ہی بیٹا ہے، پردیس کا معاملہ ہے۔ بعض نے سخت سست بھی کہا۔ مجھے ان باتوں کا کوئی علم نہ تھا۔ ایک دن میں نے ان کو تنہائی میں روتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کیوں روتے ہیں؟ پہلے ٹالتے رہے لیکن میرے

اصرار پر بتایا کہ میں بڑے ابتلا میں ہوں، کٹھن آزمائش میں مبتلا ہوں، سخت امتحان ہے۔ ایک طرف تمہارے والد صاحب کی آخری وصیت ہے، دوسری طرف رشتہ داروں کے مشورے ہیں۔ میرے اپنی بات اور ارادہ میں تمہارے والد صاحب کی وصیت پر قائم رہنے کی وجہ سے مجھے بہت کچھ سننا پڑ رہا ہے۔ کس کو اپنا حال سناؤں۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر جرأت کرتے ہوئے فرمایا کہ مَیں تمہیں ضرور بھیجوں گی خواہ کچھ ہو جائے۔ القصہ میں جامعہ احمدیہ احمد نگر میں آ گیا۔ مجھے داخلہ مل گیا۔ میں جامعہ کے طلباء میں سب سے چھوٹا تھا۔ تین سال بعد میری والدہ محمد بی بی بھی مجھے اور پانچ چھ سال کی میری ایک چھوٹی بہن حمیدہ بیگم کو چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْن

میرے تایا جان کی ایک تمنا

میرے تایا جان کا نام دوست محمد تھا۔ میرے والد صاحب دو بھائی تھے۔ بڑی محبت اور اتفاق سے رہتے تھے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد تقریباً بیس سال تک میرے لئے دعائیں کرتے اور پدرانہ شفقت سے پیش آتے رہے۔ تقریباً 80 سال کی عمر میں میرا ابھڑ کا آزاد کشمیر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

رشتہ میں میرے ایک ماموں مولوی بشیر احمد صاحب غالباً 46-1945ء میں قادیان سے مولوی فاضل کر کے گھر گئے۔ وہ صبح صبح سیر کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب کہ وہ سیر کر رہے تھے میرے تایا جان نے خاندان کے دوسرے افراد کی موجودگی میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ ''کبھی ہمارا بھی کوئی مولوی فاضل ہوگا''۔ میرے تایا جان کی اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش قبول فرمائی۔ آپ کو لمبی زندگی دی اور آپ نے اپنے خاندان کے دو مولوی فاضل دیکھے۔ خاکسار کے بعد میرے بیٹے نصیر احمد قمر صاحب نے بھی فاضل عربی کیا اور خدا کے فضل اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کی برکت سے سرگودھا بورڈ میں اول پوزیشن حاصل کی اور گولڈ میڈل حاصل کیا اور پھر میرے وقفِ زندگی میں حضور نے ان کے وقف کو بھی قبول کیا۔ الحمدللہ۔

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ والدین کی نیک خواہشات اور دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ میرے والدین اور میرے تایا جان نے جس وقت اپنی اپنی خواہش کا اظہار کیا وہ قبولیتِ دعا کا وقت تھا۔ یہ چند باتیں اس لئے لکھی ہیں کہ احباب میرے ان بزرگوں کی مغفرت اور بلندئ درجات کے لئے دعا کریں اور یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آخر دم تک ہمیں اپنے عہد کو نبھانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

میری پڑھائی اور مبلغ بننے میں حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کا حصہ

جب میری والدہ بیمار تھیں اور ہسپتال میں داخل تھیں مجھے ایک خط ملا کہ تمہاری والدہ بیمار ہے اگر منہ دیکھنا ہے تو فوراً آجاؤ۔ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے۔ آپ نے ازراہِ شفقت رخصت دے دی۔ چند دن بعد سالانہ تعطیلات بھی ہونے والی تھیں۔ جب مَیں ہسپتال پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی والدہ صاحبہ نے بڑے جذبہ سے اُٹھ کر مجھے گلے لگایا اور کہا کہ اب میں ٹھیک ہو جاؤں گی اور کئی ایک خواہشوں اور ارادوں کا ذکر کیا۔ ایک ان میں سے یہ تھی کہ اپنی اس بہن کو بھی لے جاؤ اور اس کو بھی پڑھاؤ۔ آپ کی دونوں باتیں پوری ہوئیں۔ کچھ دنوں بعد ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر آئیں صرف کمزوری تھی لیکن چند دن بعد ہی بیماری کا پھر حملہ ہوا اور آپ اپنے بیٹے اور معصوم بچی کو اداس چھوڑ کر اپنے خالق و مالک سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ے شکوہ کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے۔

اب میں شش و پنج میں تھا کہ کیا کروں؟ پڑھائی چھوڑ دوں؟ کیونکہ بہن کو میں چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اگر ساتھ لے جاؤں تو رہائش کا مسئلہ تھا۔ میں ہوسٹل میں رہتا تھا۔ چنانچہ ان حالات و مشکلات کو حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں تحریر کر کے دعا اور مشورہ کی درخواست کی۔ آپ نے مجھ سے تعزیت فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ بہن کو ساتھ لے کر آجاؤ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔ چنانچہ آپ نے مجھے ہوسٹل سے باہر رہنے کی اجازت دے

دی۔ اور جامعہ احمدیہ کے ہی ایک کمرہ میں مجھے رہائش دے کر اس مشکل کو حل کر دیا۔ اس کمرہ میں مَیں خود کھانا پکاتا تھا۔ چھوٹی بہن کو پہلی جماعت میں داخل کروادیا اور اس طرح والدہ صاحبہ کی آخری خواہش کہ اس کو ساتھ لے جاؤ اور پڑھاؤ کے پورا ہونے کے سامان ہو گئے۔ اس نے میٹرک پاس کیا اور خاندان ہی میں شادی ہوگئی۔ اب اس کے ماشاءاللہ پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ خدا کے فضل سے جماعتی کاموں اور بچوں کی تربیت میں مقدور بھر کوشش کرتی ہے۔

میری والدہ صاحبہ کو میرے والد صاحب کی آخری وصیت پر عمل کرنے کی توفیق ملی جس کی وجہ سے وہ مطمئن تھیں اور مجھے میری والدہ کی آخری خواہش کہ 'اپنی بہن کو پڑھاؤ' پر عمل کرنے کی توفیق ملی۔ الحمد للہ علی ذالک۔

مولوی فاضل کے امتحان میں خاکسار کی ایک ایسے مضمون میں کمپارٹمنٹ آگئی جس میں کبھی استاد کو اس مضمون کے بارہ میں شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا اور وہ انشاء کا پرچہ تھا۔ بہر حال مجھے جامعۃ المبشرین میں داخلہ مل گیا۔ جب دوسرے سال مولوی فاضل کا امتحان دیا تو بورڈ نے مجھے Second یعنی دوم قرار دیا۔ الحمد للہ۔

جب وقف میں استقلال کے لئے انٹرویو لیا گیا تو حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب بھی اس بورڈ کے ممبر تھے اور اس کے صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تھے۔ اس وقت آپ صدر، صدر انجمن احمدیہ اور پرنسپل ٹی آئی کالج ربوہ تھے۔ انٹرویو کالج ہی میں ہوا۔ چند دن بعد ہی حضرت مولوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ حضرت میاں صاحب یعنی صدر بورڈ فرماتے تھے کہ یہ تو بہت شرمیلا ہے، میدان میں کیسے کام کرے گا۔ تو میں نے یقین دلایا کہ انشاءاللہ کرے گا اور ٹھیک ہو جائے گا۔

الحمد للہ کہ حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث کی خلافت کے زمانہ میں، حضور ہی کی منظوری سے تین بار غانا (مغربی افریقہ) میں بھیجا گیا اور پاکستان

میں بھی بیس سال تک بطور مربی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے میری پردہ پوشی فرمائی۔ حضرت مولوی صاحب نے اس سفارش کے ساتھ مجھ پر بہت بڑا احسان کیا اور مجھے یہ واقعہ سنا کر اور بھی ہوشیار کر دیا لیکن نہایت ہی پیارے انداز میں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یقیناً حضرت مولوی صاحب نے جب حضرت صاحبزادہ صاحب کو یقین دلایا تھا تو ضرور اس احقر کے لئے عاجزانہ دعائیں بھی کی ہوں گی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ فِی الْجَنَّۃِ الْفِرْدَوْسِ وَاحْفَظْ ذُرِّیَّتَہٗ مِنَ الْآفَاتِ وَ الْمَصَائِبِ۔

دوسرا نمبر میری تربیت میں اور وقف میں میرے واجب الاحترام استاد بشیر احمد صاحب آف گرمولہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ کا ہے۔ چونکہ ان کے پاس بھی میرے والد صاحب ذکر کرتے رہتے تھے کہ اس کو مبلغ بنانا ہے اس بنیاد پر مکرم ماسٹر صاحب میرے معاملہ میں خاص توجہ فرماتے تھے۔ بعض دفعہ مختلف مضامین پر تقاریر لکھ کر دیتے اور یاد کروا کر جمعہ کے دن نماز کے بعد ساری جماعت کے سامنے کھڑا کر کے تقریر کرواتے تھے اور میری خاطر انہوں نے پرائیویٹ طور پر مڈل کروانے کے لئے کلاس جاری کی اور اس سہولت کو دیکھ کر چند ایسے دوست بھی میرے ساتھ آملے جو کافی عرصہ پہلے پرائمری پاس کر کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے دن رات محنت کر کے ہمیں پرائیویٹ طور پر مڈل کے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت لے کر دی۔ فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء۔

میری شادی

میری شادی خواجہ محمد حسین صاحب کی بیٹی امۃ الحفیظ سے ہوئی جو کہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی حقیقی بھانجی ہیں۔ ان سے ہمارا کوئی پہلے رشتہ داری کا تعلق نہیں تھا سوائے احمدیت کے۔ خواجہ صاحب کہیں میرے ایک بزرگ میاں فرمان علی صاحب خادم مسجد احمد نگر سے میرے خاندانی حالات دریافت کرتے رہے۔ آخر انہوں نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم اس کے ساتھ اپنی ایک بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کی

معرفت میری رائے معلوم کرنا چاہی۔ میں نے اپنی حالت اور طالبِ علم ہونے کی بنا پر انکار کر دیا کہ میرے پاس نہ مکان ہے، نہ کوئی جائیداد ہے۔ معمولی وظیفہ تیس روپے ملتے ہیں جس میں ہم اب تین کس گزارہ کرتے تھے۔ خاکسار، خاکسار کی ہمشیرہ حمیدہ بیگم اور رشتہ میں ایک بھانجا جو یتیم اور لاوارث تھا۔ اس کے والدین تھے، نہ کوئی بہن بھائی اور یہ دونوں پڑھتے تھے۔ ان کی فیسیں، کتابیں اور ساری ضرورتیں پوری کرنا ہوتی تھیں۔ ان سب حالات کو دیکھتے اور جانتے ہوئے انہوں نے دعاؤں اور خوابوں کی بنا پر ایک دن اپنے بیٹے محمد اسلم صاحب فاضل عربی ٹیچر کے ذریعہ میاں فرمان علی صاحب کے پاس بلا کر اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ ایک ماہ بعد 2 جنوری 1956ء کو تمہارا رخصتانہ ہوگا اور اس دن 2 دسمبر 1955ء تھا۔ یہ کہہ کر وہ جلدی سے کمرہ سے باہر نکل رہے تھے کہ میں نے ان کو پکڑ لیا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس پر میاں فرمان علی صاحب نے مجھے کہا کہ شرم کرو، انہوں نے تاریخ مقرر کر لی ہے اور ادھر خود احمد نگر میں مقیم بعض بزرگوں کو بھی جا کر بتا دیا۔ چنانچہ میرے استاد قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی نے مجھے مبارک دیتے ہوئے تسلی دی۔ حضرت منشی عبدالخالق صاحب گھر آ گئے اور خوشی کا اظہار کیا لیکن میں اپنی کم مائیگی پر شرمندہ اور پریشان تھا۔ میرا شاہد کا دسمبر میں ٹیسٹ ہونے والا تھا۔ جلسہ سالانہ کی ڈیوٹیاں بھی تھیں۔ آخر وہ مقررہ دن بھی آ گیا۔ لیکن میرے ہاں شادی والا گھر ہونے کی کوئی بھی علامت نہ تھی۔ اس فیصلہ کے بعد میں سخت پریشان تھا۔ ایک صبح جب میں نیند سے بیدار ہوا تو یہ آیت پڑھ رہا تھا جو کئی بار دہرائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمَاعِیْلَ وَ اِسْحَاقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔

نصیر احمد قمر کی پیدائش

میری اہلیہ کے ایامِ حمل میں ہم نے قادیان جانے کا ارادہ کیا۔ جب لاہور پہنچے تو میری بیوی کو اسہال کی تکلیف ہو گئی۔ حمل کا ساتواں مہینہ تھا۔ میں نے سفر کو ملتوی کرنے کا

سوچا۔لیکن یہ مصر تھیں کہ ضرور جانا ہے۔راستہ میں آرام رہا،قادیان پہنچنے پر پھر تکلیف شروع ہوگئی۔ بھائی احمد حسین صاحب درویش جو میری بیوی کے بڑے بھائی ہیں اور جن کے ہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے انہیں اس تکلیف اور حالات سے آگاہ کیا۔اس پر مکرم میاں سراج الدین صاحب مؤذن منارۃ المسیح (والد ماجد مکرم مولانا عطاء اللہ صاحب کلیم) نے یہ نسخہ بتایا کہ اسبغول ثابت لے کر دودھ میں کھیر بنا کر کھلائیں اور تاکید کی کہ منارۃ المسیح پر چڑھنے کی کوشش نہ کرے۔اس نسخہ کے استعمال سے آرام تو آ گیا لیکن دوسری ہدایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ دو دفعہ منارۃ المسیح کی آخری منزل تک گئیں اور وہاں بیٹھ کر ہونے والے بچے کے لئے ہمیں بہت دعائیں کرنے کا موقعہ ملا۔ایسے ہی بیت الدعا میں بھی نوافل ادا کرنے اور دعاؤں کی توفیق ملی۔بہشتی مقبرہ بھی جاتے رہے۔18 اکتوبر 1956ءکو بیٹا پیدا ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نصیر احمد نام عطا فرمایا۔

نصیر احمد قمر کی بیماری کے واقعات

ایک دفعہ اس کی والدہ اس کو احمد نگر سے لے کر ربوہ آئی۔حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کے گھر ٹھہرے تھے کہ اسے ایک دورہ پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔گھر کے سب لوگ گھبرا گئے۔حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کا گھر شمس صاحب کے گھر کے ساتھ والا تھا۔ان کے بیٹے ڈاکٹر محمد احمد صاحب گھر تھے،اُن کو دکھایا گیا۔آپ نے تسلی دی اور دوائی دی۔الحمد للہ اس سے ٹھیک ہو گیا۔میں اس وقت جابہ میں تھا جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ گرمیوں کے موسم میں تشریف رکھتے تھے۔تفسیر صغیر کے کام کے سلسلہ میں جامعہ کے دو تین طلباء کی ڈیوٹی تھی ان میں مَیں بھی شامل تھا۔حضور کی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ کتاب شائع ہو جائے۔آپ کی تحریر بہتوں کے لئے پڑھنی مشکل تھی۔ہم طلباء مولوی نورالحق صاحب کی اور مولانا محمد یعقوب صاحب زود نویس کی مدد سے اس کو صاف کر کے کاتبوں کو دیتے تھے۔وہاں مجھے نصیر احمد کی بیماری کی اطلاع ملی تو حضور انور کی خدمت میں درخواست دعا کے ساتھ ایک دن کی رخصت لے کر ربوہ آیا۔بیماری کی اطلاع

ملنے پر مجھے اس دن جابہ کے پہاڑوں میں جا کر اس کی صحت و سلامتی کے لئے خوب دعا کرنے کی توفیق ملی۔

بیماری کا دوسرا حملہ

جب میں گوجرہ میں متعین تھا اس کو ٹائیفائیڈ کا بخار ہو گیا۔ جب ذرا آرام آیا تو اس نے اصرار کیا کہ میں آپ کے ساتھ شکار کے لئے جاؤں گا۔ میرے پاس ایئر گن تھی۔ شکار کے دوران یہ چلتا رہا۔ اس کو دوبارہ شدید بخار ہو گیا۔ حالت تشویشناک ہو گئی۔ ہسپتال لے کر گیا۔ وہاں جان پہچان والے ایک ڈاکٹر تھے اور ان کی بیگم صاحبہ بھی ڈاکٹر تھیں۔ انہوں نے اس کو دیکھا اور فوراً داخل کر لیا اور علاج شروع کر دیا۔ گوجرہ کی جماعت میں ایک بزرگ مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے۔ اُن کو اس سے بہت پیار تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور ہسپتال سے غائب ہو گئے۔ چند گھنٹوں کے بعد اس کو ہوش آیا۔ مرزا صاحب بھی عصر کے قریب واپس آ گئے۔ آ کر بتایا کہ میں دور کھیتوں میں چلا گیا الگ جگہ میں نے اس کے لئے درد دل سے بہت دعا کی حتی کہ مجھے تسلّی ہو گئی اور پھر میں واپس سیدھا ہسپتال میں آیا ہوں۔ یہ سب مواقع اس کے لئے دعاؤں کے پیدا ہوتے رہے۔

استاد کا ادب

گوجرہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ یہ اردو کی کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ ایک لفظ کا تلفظ غلط پڑھ رہا تھا۔ میں نے تصحیح کی۔ اس نے فوراً کہا کہ یہ میرے استاد نے پڑھایا ہے۔ گویا استاد کا بتایا ہوا غلط نہیں ہو سکتا۔ بچے کو استاد پر کتنا اعتماد ہوتا ہے۔ اس پہلو سے استاد کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے کہ وہ بچوں کو صحیح تعلیم دے اور نیک نمونہ دے۔

بچہ کی جستجو

نصیر احمد بہت چھوٹا تھا، دو اڑھائی سال کا ہو گا۔ میں اسے مسجد احمدیہ احمد نگر میں لے گیا۔ وہاں نئی نئی بجلی لگی تھی۔ ابھی ہمارے گھر میں بجلی نہ تھی۔ میں نے بجلی کا تعارف کراتے

ہوئے بلب اور پنکھے چلا کر دکھائے۔ اس نے پوچھا یہ کیسے جلتی ہے؟ کس نے بنائی ہے؟ کون اس کا موجد ہے؟ وغیرہ۔ جو مجھے معلوم تھا بتایا۔ بچے میں سوالات کرنے کی عادت ہوتی ہے اور جاننے اور سیکھنے کا جذبہ اور شوق ہوتا ہے اور بالعموم بچپن کی باتیں بچہ یاد بھی رکھتا ہے۔ ایسے بچوں کے سوالات پر صحیح جواب دینا چاہئے۔ اگر علم نہ ہو تو صحیح معلومات حاصل کر کے ان کی تسلی کرنی چاہئے۔ بعض لوگ بچوں کے سوالات پر انہیں ڈانٹ دیتے ہیں جو مناسب نہیں۔

حفاظت الٰہی کا ایک واقعہ

مجھے بدوملہی مرکز میں کافی عرصہ رہنے کا موقعہ ملا۔ پھر میرا تبادلہ فیصل آباد (لائلپور) ہوا اور مجھے ایک گاؤں ۹۶ صریح بھیجا گیا۔ کافی بڑی جماعت تھی لیکن مسجد میں حاضری کم ہوتی تھی۔ میں نے وہاں متفرق اوقات میں قرآن مجید، حدیث نبویؐ اور ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ کا درس دینا شروع کر دیا۔۔ اس سے جماعت میں بہت دلچسپی پیدا ہوگئی یہاں تک کہ عورتوں نے بھی پردہ کے انتظام کے ساتھ درس میں شریک ہونا شروع کر دیا اور خدا کے فضل سے مسجد بھر جاتی حتیٰ کہ اس کی توسیع کا منصوبہ بنانا پڑا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

وہاں میری رہائش ایک چوبارہ میں تھی جس کے ایک کونہ میں رہائش کا انتظام تھا اور دوسری طرف بیٹھک تھی۔ ایک دن مجھے ڈکشنری کی ضرورت پڑی۔ میں نے نصیر احمد کو کہا کہ وہاں ایک بڑی سی کتاب پڑی ہے وہ لے آؤ۔ وہ اس کو اُٹھا کر کھڑکی میں کھڑا تھا کہ اس کے ہاتھ سے کتاب نیچے گر گئی۔ کتاب کو پکڑنے کی کوشش میں قریب تھا کہ وہ بھی ساتھ ہی گر جاتا۔ یہ نظارہ بعض دوستوں نے دیکھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کتاب لے کر آ گیا۔ چہرہ زرد تھا۔ اس نے مجھے کچھ نہ بتایا۔ دیکھنے والے بعض دوستوں نے مجھے سارا واقعہ بتا کر مبارکباد دی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو چھت سے گرنے سے گویا ہاتھ دے کر بچایا ہے۔ الحمد لله۔

ایک خواب

ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ نصیر کو کسی نے قتل کر کے دریا میں پھینک دیا ہے۔ گلا کٹا ہوا ہے اور یہ اس میں بہتا چلا جا رہا ہے۔ میں روتا ہوں اور دریا کے ساتھ بہاؤ کی طرف چل رہا ہوں۔ اس کی والدہ بھی خاموش میرے پیچھے چلی آ رہی ہیں۔ اس خواب سے بہت پریشان رہا۔ کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا، البتہ اس کے لئے دعائیں کرتا رہا۔ پھر کسی کتاب میں پڑھا کہ پانی میں ڈوب کر مرنا اچھا ہوتا ہے اور اس سے علم مراد ہے اور میں اس تعبیر کو ذہن میں رکھ کر مطمئن ہو گیا کہ یہ مبارک خواب ہے۔

نصیر احمد کا مربی بننے کا عزم

جب بدوملہی ضلع سیالکوٹ سے میرا تبادلہ ضلع لائلپور موجودہ فیصل آباد میں ہوا۔ تو بدوملہی کی جماعت نے ہمیں بڑے اہتمام سے رخصت کیا۔ اسٹیشن تک جلوس کی صورت میں گئے، ہار پہنائے۔ یہ سب کچھ وہ دیکھ رہا تھا۔ آخر مجھے پوچھا کہ یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں مربی ہوں اس وجہ سے وہ پیار کرتے ہیں۔ اس پر اس نے بے اختیار کہا کہ میں بھی مربی بنوں گا۔ میٹرک کا امتحان اچھے نمبر لے کر پاس کیا۔ بہت سے عزیزوں اور دوستوں نے کالج میں داخل کرنے اور ڈاکٹری لائن اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور تعاون کا یقین دلایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں مشورہ کے لئے لکھا تو حضور انور نے ازراہِ شفقت جواب دیا کہ اگر وقف ہے تو جامعہ میں داخل ہو جائے۔ یہ خوشی سے جامعہ میں داخل ہو گیا اور شاہد میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ حضورِ انور کی اجازت سے قرآنِ کریم میں تخصص کے لئے منتخب ہوئے۔ میں نے غانا میں ایک خواب دیکھا کہ کوئی مجھے مبارکباد دیتا ہے کہ نصیر احمد کو یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا ہے۔ بعد میں انہوں نے مجھے لکھا کہ مجھے قرآن کے مضمون میں تخصص کے لئے چنا گیا ہے۔ میں نے ان کو اپنی خواب لکھ کر بتایا کہ اصل میں یہی خواب کی تعبیر ہے۔ قرآن جو جامع علوم ہے یہی یونیورسٹی ہے۔ شاہد

کے بعد جامعہ احمدیہ میں ہی قرآنِ کریم پڑھانے کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ پرائیویٹ ہی بی اے اور فاضل عربی کے امتحان پاس کئے۔اور فاضل عربی میں سرگودھا بورڈ میں اول قرار دیئے گئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی مجلسِ عاملہ کے بھی ممبر رہے۔ ماہنامہ تشحیذ الاذہان کے ایڈیٹر رہے۔ 1985ء سے لندن میں ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے۔ اِس وقت ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن کے مدیرِاعلیٰ اور ایڈیشنل وکیل الاشاعت کے طور پر خدمت کی سعادت حاصل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پردہ پوشی فرمائے رکھے۔ان کی مخفی استعدادوں کو اجاگر فرمائے اور حضورِانور کی دعاؤں کا مستحق بنائے رکھے۔ آمین۔

کوتاہ قد کا علاج

جب عزیزم نصیر احمد قمر جامعہ میں داخل ہوئے تو حضرت سید میر داؤد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ بھی ان کے ساتھ پیار کے ساتھ پیش آئے۔ان کی جسمانی واخلاقی نشوونما کا بھی خیال رکھا۔آپ کو احساس تھا کہ عمر کے لحاظ سے اس کا قد چھوٹا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پاس اس کا ذکر کیا۔ حضور نے پرنسپل صاحب کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ اسے میرے پاس بھجوانا۔آپ نے ان کو حضورِاقدس کی خدمت میں بھجوادیا۔ حضورِانور نے بعد ملاحظہ اپنی ہی تیار کردہ دوائی MABIL قد بڑھانے کے لئے تجویز فرمائی۔

ایک لطیفہ

عزیزم نصیر احمد نے مولوی فاضل میں اول آنے پر گولڈ میڈل حاصل کیا تو انہوں نے پرنسپل صاحب جامعہ احمدیہ استاذی المکرّم ملک سیف الرحمان صاحب کی وساطت سے حضورِ انور کی خدمت میں درخواست کی کہ حضور اپنے دستِ مبارک سے یہ میڈل میرے گلے میں ڈال دیں۔ حضور نے ازراہِ شفقت یہ منظور فرمالیا۔ مقررہ تاریخ پر مَیں بھی ساتھ چلا گیا۔ جب ہم پرنسپل صاحب کی معیت میں حضورِ اقدس کی خدمت میں حاضر

ہوئے اس وقت حضور ڈاک اور ضروری فائلوں کے ملاحظہ میں مصروف تھے۔ مسکراتے ہوئے ملک صاحب سے پوچھا کیسے آئے ہیں، جلدی بتائیں؟ ملک صاحب نے ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بشیر احمد قمر کے بیٹے نصیر احمد قمر کو عربی فاضل کے امتحان میں گولڈ میڈل ملا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ حضور اپنے دستِ مبارک سے اس میڈل کو اس کے گلے میں ڈالیں۔ حضور کام میں بھی مصروف تھے اور یہ جواب بھی سن رہے تھے۔ نظر اٹھا کر ہماری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کون ہے باپ اور کون ہے بیٹا؟ کیونکہ نصیر احمد نے بھی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ قد میں مجھ سے کچھ لمبا معلوم ہوتا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضور آپ نے اس کو دوائی کھلا کر بڑا کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا یہ وہی ہے۔ پھر میڈل ہاتھ میں لے کر اس کے وزن اور خالص سونا وغیرہ ہونے کے متعلق دریافت فرماتے رہے۔ پھر از راہِ شفقت کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ فوٹوگرافر بھی ساتھ تھا، اس کو فرمایا تیار ہو جاؤ اور اس موقع کی یادگار تصاویر لینے کا بھی موقع دیا۔ الحمد للہ۔

میدانِ عمل میں

میں نے 1957ء میں شاہد کا امتحان پاس کیا۔ اور مئی 1957ء میں خاکسار کو اصلاح وارشاد مقامی میں بھیج دیا گیا۔ اس وقت ناظر صاحب اصلاح وارشاد مقامی حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ تھے۔ آپ نے مجھے ایک ماہ کے لئے چک منگلا اور اس کی گردونواح کی نئی جماعتوں میں دورہ کے لئے بھیجا۔ میرا مرکز کوٹ سلطان تھا۔ اور مولوی مہردین صاحب معلم اصلاح وارشاد مجھے مختلف نئی جماعتوں میں لے کر جایا کرتے تھے۔ جب حضرت چوہدری صاحب نے مجھے جانے کا ارشاد فرمایا تو میں نے عرض کی کہ آپ نئے اور ناتجربہ کار مربیان کو کسی پرانے تجربہ کار مربی کے ساتھ کچھ عرصہ لگایا کرتے ہیں مجھے بھی موقع دیا جائے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا، بے فکر ہو کر جاؤ۔ خاکسار اپنے ساتھ حدیث کی کتاب ریاض الصالحین لے کر گیا۔ جہاں بھی گیا اس کا درس دیتا رہا۔ احباب دلچسپی سے سنتے رہے۔ خصوصاً چک 152 شمالی میں زیادہ قیام ہوتا۔ چنانچہ خاکسار جب 16/17 سال کے بعد ضلع سرگودھا کا مربی مقرر ہوا اور ان علاقوں کا دورہ کیا تو اکثر نے مجھے ان درسوں کے حوالے سے پہچانا کہ آپ نے درس حدیث دیا تھا جس کی مجھے روحانی خوشی ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیاری باتیں ان کو پسند آئیں اور ان کی برکت سے لوگوں نے مجھے یاد رکھا اور دعا بھی کرتے ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔

دورہ کے دوران خاکسار کا موضع گھوڑی والا میں قیام تھا۔ نئی نئی جماعت تھی۔ احمدی اور غیر از جماعت احباب ایک ہی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ فجر کی نماز پہلے انہوں نے ادا کی اور پھر ہم نے ادا کی۔ نماز کے بعد ان کے امام احمدی احباب سے فرداً فرداً مل کر کھسر پھسر کرتے تھے۔ میں نے ایک احمدی سے دریافت کیا کہ یہ کیا راز و نیاز ہو رہا

ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہاں ایک غیر از جماعت دوست کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ ان کے مولوی صاحب ہیں۔ انہوں نے ایک قرآن پڑھ کر مرحوم کو بخشنا ہے۔ چونکہ یہ خود مکمل نہیں پڑھ سکا اس لئے ہمارے دوستوں سے مانگتا ہے کہ جس نے جتنے پارے پڑھے ہیں وہ مجھے بخش دے تا کہ میں پورے تیس کر کے مرحوم کو بخش دوں۔ یہ عجیب قسم کی رسم ہے جس کا مجھے پہلی دفعہ علم ہوا۔ قرآن بڑا مظلوم ہے۔ اب یہ مُردوں کے لئے رہ گیا تھا یا تعویذ گنڈوں اور جادو کے لئے (نعوذ بالله من ذالک)۔ حالانکہ یہ تو زندوں کو سنانے کے لئے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسین میں فرمایا ہے کہ ہم نے اس رسول کو شعر نہیں سکھایا، نہ ہی یہ اس کی شان ہے۔ یہ تو ایک پُر حکمت نصیحت اور ہدایت ہے۔ یہ ایک حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب ہے تا کہ تو اس کے ذریعے زندوں کو ہوشیار کرے۔

قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔﴿هٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام:156) کہ یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے۔ پس اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اب مرنے والا بیچارہ تو پیروی کرنے اور تقوی کی راہوں پر قدم مارنے سے محروم ہو گیا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف:205) کہ جب قرآن کریم کی تلاوت کی جا رہی ہو تو اس کو غور اور توجہ سے سنا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اب مرنے والے کے حوالے سے اس پر غور کریں۔ اس طرح بخشش کرنا یا جیسا کہ عام رواج ہے مرنے والے کے پاس بیٹھ کر یا اس کے بعد ساتواں، چالیسواں، یا کسی اور موقع پر ختم قرآن کا اہتمام کرنا اور قرآن خوانی کرنے والوں اور حاضرین کو اچھے اچھے کھانے کھلانا، تحفے تحائف دینا وفات یافتہ کے لیے کیسے فائدہ بخش ہو سکتا ہے۔ وہ بیچارہ خاموش تو ہے لیکن سن نہیں سکتا کیونکہ مردہ ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ یہ زندوں کے لیے ہے۔

اس عارضی تقرری کے بعد مجھے نارووال بھیج دیا گیا۔ میں وہاں پہلی دفعہ گیا۔ اپنا

مختصر سا بستر اٹھائے ہوئے، پوچھتا پچھاتا عصر کے بعد مسجد احمدیہ پہنچ گیا۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ مغرب کے وقت چند دوست آئے۔ صدر صاحب سے تعارف ہوا جن کا نام مولوی عبداللہ تھا۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی تھے۔ ان کو تقرری کا خط دیا جو اصلاح وارشاد کی طرف سے تھا۔ انہوں نے خط پڑھا اور پھر سیکرٹری صاحب مال ریٹائرڈ حوالدار عبدالحمید صاحب کی طرف کر دیا۔ وہ خط پڑھ کر مجھے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

حوالدار عبدالحمید صاحب:۔ آپ کیسے تشریف لائے؟

خاکسار:۔ خط میں لکھا ہوا ہے۔

حوالدار عبدالحمید صاحب:۔ آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔

خاکسار:۔ جتنا سمجھا اس کا جواب دے دیا۔ آپ خود ہی بتا دیں، آپ کا کیا مطلب ہے۔

حوالدار عبدالحمید صاحب:۔ ہم نے مولانا عبدالغفور صاحب کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ تو مولانا عبدالغفور صاحب نہیں۔ اس لئے پوچھا تھا کہ آپ کیسے تشریف لائے۔

خاکسار:۔ (میں نے اس وقت بغیر کسی غور کے جو جواب دیا وہ یہ تھا) مجھے آپ کے مطلب کو معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ یہ مومنانہ شان ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے قیامت کے روز مومنوں کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے نور دوڑ رہا ہو گا اور باوجود اس کے وہ دعائیں کریں گے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (سورۃ التحریم:6) کہ اے ہمارے رب ہمارے نور کو مکمل کر۔ پس یہ مومنانہ شان ہے کہ اچھی چیز زیادہ چاہتا، مانگتا اور مطالبہ کرتا ہے۔ مولوی صاحب پکّے اور شیریں پھل تھے اور ہیں۔ بیشک آپ کا مطالبہ مومنانہ شان رکھتا ہے۔ اس میں میری دل شکنی نہیں، لیکن مرکز مجبور ہے مولوی صاحب ریٹائرڈ کر دیئے گئے ہیں۔ (انہیں دنوں مولوی صاحب ریٹائرڈ کر دیئے گئے تھے) بیشک میں کچا اور پھیکا پھل ہوں۔ مرکز نے مجھے میدان میں پکنے کے لئے بھیجا ہے۔

میرے اس جواب پر حوالدار صاحب اردو بولتے بولتے پنجابی پر آ گئے اور فرمایا:

شاید آپ کو پتہ نہیں یہاں عیسائیوں کا مضبوط گڑھ ہے۔ شیعوں کا زور ہے اس لئے ہمارا مطالبہ تھا کہ پرانے مناظر اور تجربہ کار بزرگ بھیجے جائیں۔ میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ بیشک مجھے اس کا علم نہیں لیکن مرکز کو ضرور اس صورتحال کا علم ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے مسجد کی گیلری میں رہنے کو کہا۔ خاکسار چھ ماہ تک وہاں رہا۔ رہائش اور دوسری مجبوریوں کی وجہ سے مجھے بدوملہی تبدیل کر دیا گیا۔ بعد میں انہوں نے مکان کا انتظام کرنے اور میرے تبادلہ کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن مرکز رضامند نہ ہوا۔

کتھووالی:۔

گوجرہ سے پہلی دفعہ مجھے کتھووالی جماعت کا دورہ کرنا تھا۔ جب میں وہاں جانے کے لئے سائیکل پر ایک چھوٹی سی نہر (راجباہ) کے ساتھ جا رہا تھا تو رستے میں ایک اور سائیکل سوار جو اُدھر ہی ایک دوسرے گاؤں جا رہا تھا ساتھ ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کا اس گاؤں تک ساتھ دوں گا۔ جب ہم گاؤں کے سامنے پہنچے تو اس نے بتایا کہ یہ ہے سامنے آپ کا گاؤں۔ جب میں نے اُدھر دیکھا تو ایک سفید مناروں والی مسجد پر نظر پڑی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ احمدیہ مسجد ہو گی کیونکہ یہاں کافی پرانی اور بڑی جماعت تھی۔ وہاں مکرم سید محمد امین صاحب مرحوم معلم اصلاح وارشاد متعین تھے۔ جب میں ان کے پاس پہنچا ہمیں عصر کی نماز ادا کرنی تھی۔ جب مسجد پہنچے تو دیکھا کہ وہ مسجد تقریباً کچی سی تھی اور بغیر میناروں کے تھی۔ شام کے اجلاس عام میں مَیں نے اس اوپر والے مسجد کے مینار نظر آنے والے واقعہ کا ذکر کیا اور مسجد بنانے کی تحریک کی۔ اس وقت تک اس گاؤں کے غیر از جماعت احباب کی بھی ایسی مسجد نہ تھی۔ کچھ عرصہ بعد جماعت نے پختہ مسجد تعمیر کرنی شروع کی۔ مینار بنانے کے لئے سرمایہ نہ تھا اور اس کام کو ملتوی کرنے کا پروگرام بن رہا تھا۔ ان میں سے کسی نے میرے اوپر کے واقعہ کا ذکر کر کے مینارے بنانے کا مشورہ دیا۔ مسجد کے معمار مکرم مرزا لطیف احمد صاحب (مرحوم) آف گوجرہ تھے۔ جب وہ مینار مکمل ہو گئے تو انہوں نے آ کر مجھے بتایا کہ جو مسجد آپ نے دیکھی تھی وہ بن گئی ہے اور نہر کے کنارے جس جگہ سے آپ نے

مینار اور مسجد دیکھی تھی وہاں سے یہ مسجد اور مینار نظر آتے ہیں۔ دوستوں نے اس بات کو ابھی تک یاد رکھا ہوا ہے جبکہ میں بھول چکا تھا۔ وہ اس کو کشف کا نام دیتے ہیں۔ اب اس کے بعد کئی دفعہ اس کی توسیع ہوئی، مربی کی رہائش اور مہمان خانہ وغیرہ بنا۔

سرگودھا کے بعض واقعات

میں سرگودھا ضلع میں 1971ء سے 1975ء تک رہا۔ اس زمانہ میں خوشاب بھی ضلع سرگودھا میں شامل تھا اور سرگودھا کی تحصیل تھا۔ اکثر دیہاتی جماعتوں کے بھی دورے کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ جماعت کے خلاف 1974ء کے فسادات میں مَیں سرگودھا تھا۔ وہاں ان دنوں جماعتی بھی اور انفرادی بھی بہت سے واقعات ہوئے جو سبق آموز بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔ ایک دو کا ذکر کرتا ہوں۔

خلیفہء وقت اور جماعت کا باہمی تعلّق

ایک روز دن بھر بارش ہوتی رہی۔ شام کو سارے شہر سے بجلی کا نظام بھی معطل ہو گیا۔ ہم نے مقامی جماعت اور ضلع کی جماعتوں سے رابطہ کا مرکز حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر مقامی و ضلع سرگودھا کے ہاں ہی بنایا تھا۔ رات 9 اور 10 بجے کے درمیان سرگودھا کے پانچ چھ خادم جو ربوہ مرکز میں ڈیوٹیاں دے رہے تھے مذکورہ سنٹر میں پہنچے اور بتایا کہ ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے کچھ کھانے پینے کا سامان دے کر بھیجا ہے۔ حضور اقدس کو اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے (کیونکہ بازار سے کوئی چیز خریدنے نہیں دیا جاتا تھا) اور حضور اقدس نے فرمایا ہے کہ **"کوئی احمدی بھوکا نہیں مرے گا۔"** اور ساتھ وفد نے یہ بھی کہا کہ بارہ بجے رات کی گاڑی پر ہم نے واپس جا کر حضور اقدس کو رپورٹ کرنی ہے۔ ہم نے اُن کو کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت مخالفوں نے سخت پہرہ کیا ہوا ہے۔ راستے بارش کی وجہ سے خراب ہیں۔ لیکن وہ نہ مانے۔ ہم نے کچھ سائیکلیں اکٹھی کی ہوئی تھیں۔ چند مقامی خدام کو جو احمدی گھروں کو جانتے تھے

اُن کے ساتھ بھیجا اور دعا کے ساتھ رخصت کیا۔ میں مرزا صاحب کی مسجد میں دعا کے لئے چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ دو تین گھنٹے خرچ ہوں گے کیونکہ راستے خراب ہیں۔ لیکن ابھی ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ وہ واپس آئے۔ میں نے سمجھا کہ یہ ناکام آرہے ہیں۔ جب اُن سے رپورٹ لی تو پتہ چلا کہ سارے حلقوں کا دورہ کر کے آگئے ہیں۔ جب یہ دروازہ پر دستک دیتے تو مالک مکان ڈرتے ڈرتے دروازہ کے پاس آکر پہلے تسلی کرتے کہ اپنے خدام ہیں تب وہ دروازہ کھولتے۔ یہ حضور اقدس کا پیغام اور سلام پہنچاتے اور سارا واقعہ سناتے۔ اس پران دوستوں کے عجیب جذبات ہوتے۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو اور یقین دلاتے کہ ہم بھوکے نہیں۔ وہ چیزیں تبرکاً وصول کرتے۔ اس وفد کے ممبران نے کہا کہ ہمیں واپس جانا ہے۔ لالیاں اترنا ہے کیونکہ ربوہ مسافر نہیں اترنے دیتے اور وہاں سے پیدل جانا ہے اور جب تک حضور کو اطلاع نہیں ملے گی حضور اقدس آرام نہیں کرسکیں گے۔ اس واقعہ سے خلیفۂ وقت کو جماعت سے اور جماعت کو اپنے امام سے محبت اور فدائیت کا جو تعلق ہے وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

1974ء میں پاکستان میں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک ملک گیر مخالفت کا منصوبہ مخالفین کی طرف سے بنایا گیا تھا۔ ہر طرف طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ لیکن اس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ احمدی افراد مرد وزن اور بچوں کو بھی خوابوں کے ذریعہ خوشخبریاں دیتا تھا۔ چنانچہ ایک ایسے ہی نہ بھولنے والے ایمان افروز واقعہ کا عرض کرتا ہوں۔

اس فتنہ کے دوران خاکسار جماعتوں کا دورہ کیا کرتا تھا۔ حسب توفیق انہیں تسلی دیتا تھا اور اُن سے بھی حالات و واقعات سنتا تھا۔ اس سلسلہ میں خاکسار چک 153 شمالی ضلع سرگودھا دورہ پر گیا۔ وہاں کے صدر جماعت ملک نور محمد صاحب جوئیہ نے مجھے بتایا کہ پیرو چک جو اس جماعت کے قریب ضلع جھنگ کا ایک گاؤں ہے وہاں ایک احمدی خاندان ہے اور ایک نوجوان لڑکے نے جماعت سے علیحدگی کا اعلان کروایا ہے۔ اس کی بوڑھی والدہ اس کی اس کمزوری پر بہت غمزدہ اور پریشان ہیں۔ اس کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کے لئے جانا

ہے۔ چنانچہ میں چند دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچا اور اس بزرگ خاتون سے ملاقات ہوئی۔اس موقعہ پراس نے اپنی ایک عجیب اورایمان افروز خواب سنائی۔اس نے کہا کہ میں اس لڑکے کی جماعت سے علیحدگی پر بہت پریشان تھی۔اس دوران میں نے ایک خواب دیکھی اور وہ اس طرح ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک پودا لگا رہے ہیں اور وہ پودا دیکھتے دیکھتے ایک بہت بڑا درخت بن گیا۔اور لوگ کہتے ہیں کہ اس درخت کا نام ''احمدیہ درخت ہے۔'' اس خواب کوسن کر مجھے اس عورت کو سمجھانے اور تسلی دینے کا ایک مضمون مل گیا۔میں نے کہا کہ دیکھیں پھلدار درخت لگائے جاتے ہیں۔اُن میں سے بعض سوکھ بھی جاتے ہیں،بعض قائم رہتے ہیں۔جب پھل دینے کی عمر کو پہنچتے ہیں تو ان پر کثرت سے پھول لگتے ہیں لیکن سب پھول، پھل نہیں بنتے۔جو پھل بنتے ہیں وہ سب پکتے نہیں بلکہ بعض آندھی اور طوفانوں اور بعض دفعہ معمولی صدمہ سے گر جاتے ہیں۔بہت تھوڑا پھل پک کر کھانے کے قابل ہوتا ہے لیکن مالک اس درخت کی حفاظت کرتا ہے۔آپ کو اس خواب کے ذریعہ سے یہ خوشخبری سنائی گئی ہے اور ایک حقیقت بتائی گئی ہے کہ احمدیت کا پودا خدا کا لگایا ہوا ہے اور یہ بڑھے گا، پھلے اور پھولے گا اور ساری دنیا میں اس کی شاخیں پھیل جائیں گی۔لیکن جو علیحدہ ہونے والے ہیں وہ ان کی اپنی کمزوری اور بدقسمتی ہے۔مَیں نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور کلام کی روشنی میں بتایا کہ آپ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ایک درخت قرار دیا ہے۔اور قرآن کریم میں سورۃ سجدہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ پر ایمان لاکر اس دعویٰ بیعت پر قائم رہتے ہیں تو خوف کے مواقع پر ان پر فرشتے اترتے ہیں اور تسلیاں دیتے ہیں کہ تم ڈرو نہیں اور غم نہ کرو اور ان کو جنت کی بشارتیں دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی استقامت پر آپ کو اپنے اس انعام سے نوازا ہے اور آپ کو تسلّی دی ہے۔ان باتوں کو سن کر اس بزرگ خاتون کے چہرہ پر بشاشت آگئی اور خدا کے فضل سے وہ احمدیت پر تاوفات قائم رہی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا وَاَدْخِلْھَا فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْم۔
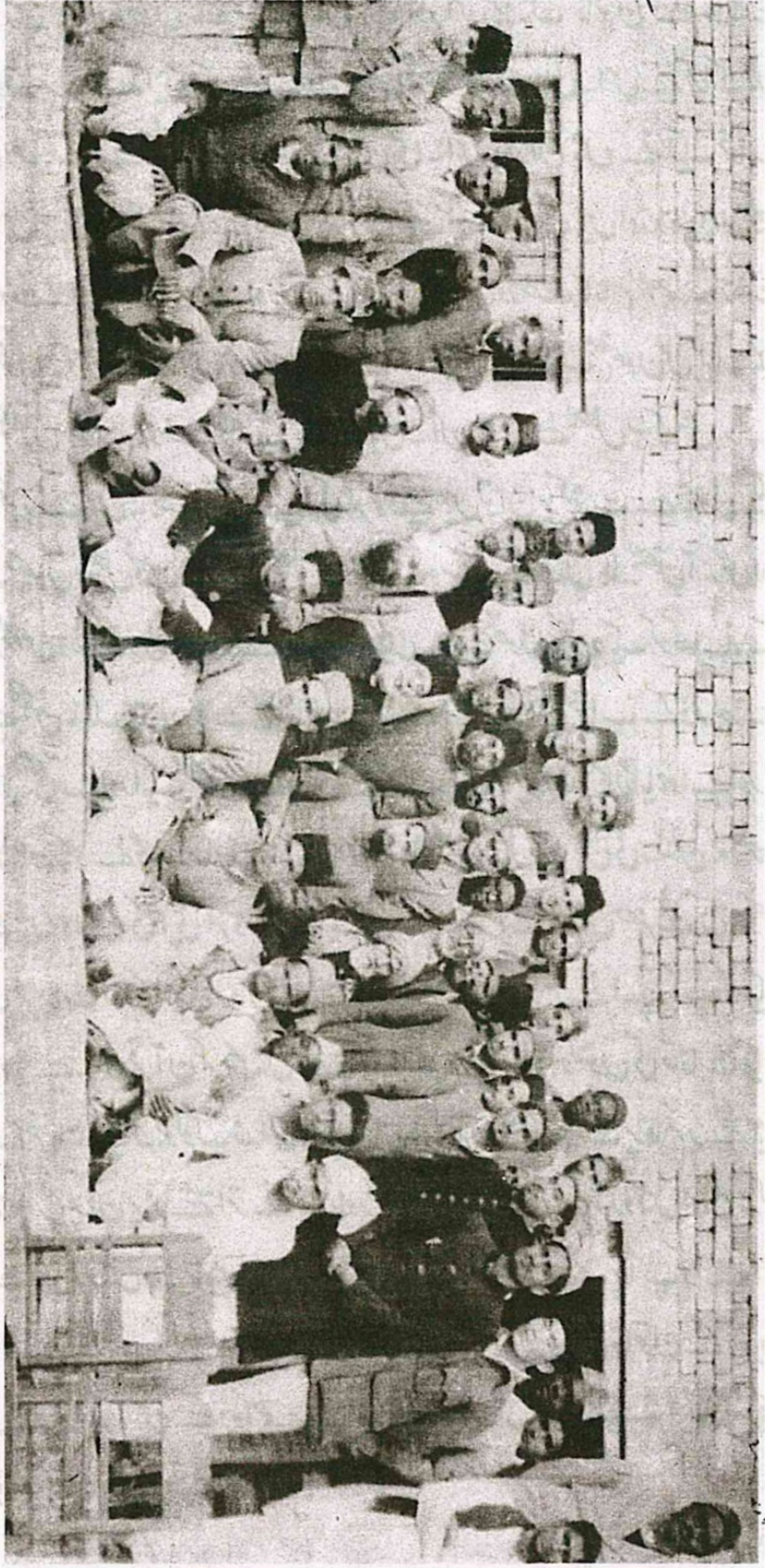
جامعہ احمدیہ احمد نگر کی ایک یادگار تصویر۔ پہلی صف میں دائیں طرف پگڑی پہنے ہوئے مکرم بشیر احمد صاحب قمر
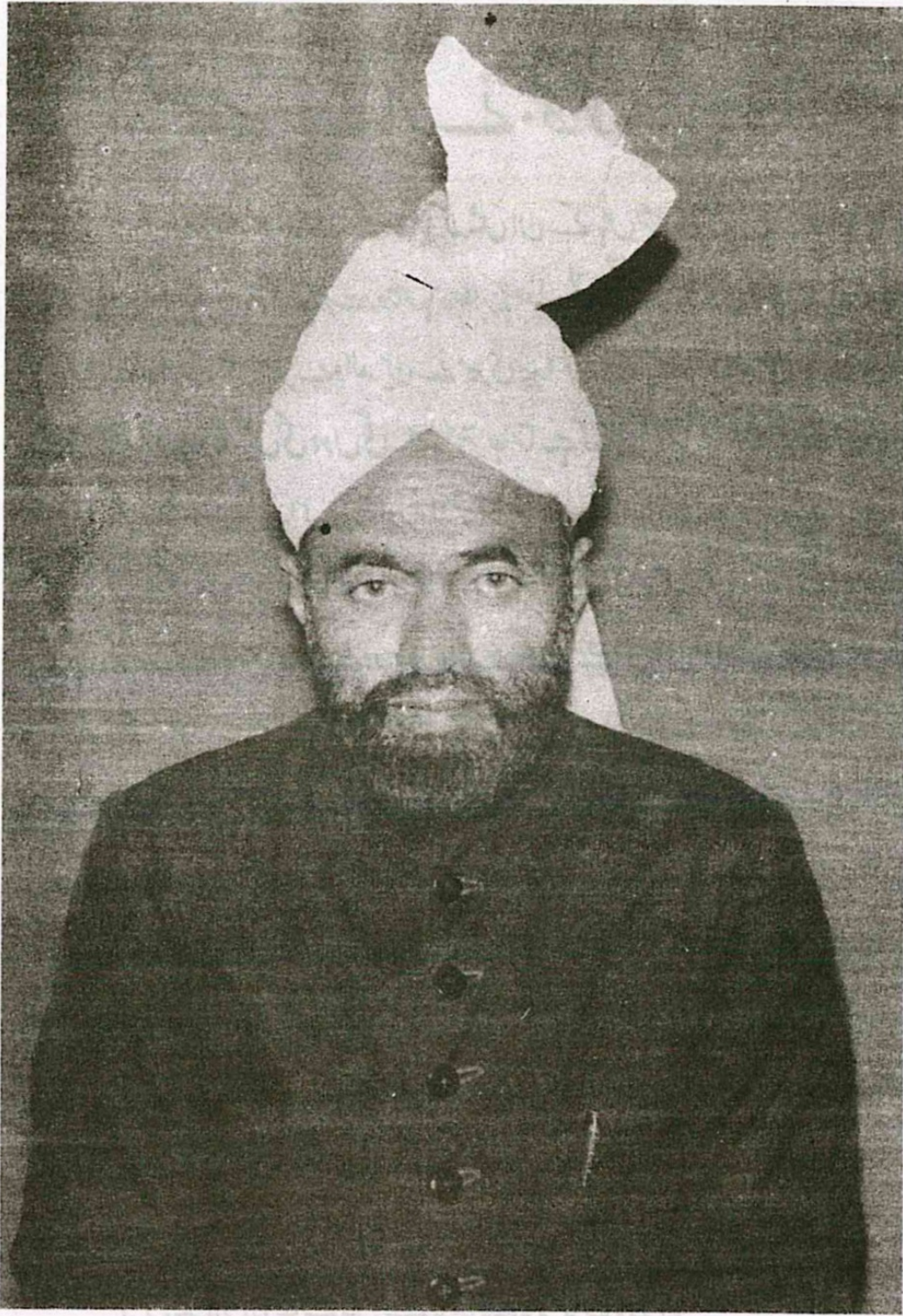
مکرم بشیر احمد صاحب قمرؔ

(ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن و وقف عارضی)

کیسے میرے یار نے مجھ کو بچایا بار بار

میری والدہ مرحومہ نے مجھے بتایا کہ میں ان کے ہاں شادی کے چوتھے یا پانچویں سال پیدا ہوا اور پھر کئی ماہ تک بہت روتا رہا۔ علاج معالجے اور تشخیص کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں میرے والدین نے میری پیدائش سے پہلے اور بعد بھی میری تکلیف کے پیش نظر بہت دعائیں کی ہوں گی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان کی کیا کیا تمنائیں ہوں گی اور کیا کیا منتیں مانی ہوں گی۔ اس نیت اور خواہش کا میرے والد صاحب مرحوم ہر ایک سے ذکر کرتے رہے کہ میں اس کو وقف کروں گا اور دین کا مبلغ بناؤں گا۔ اس کے لئے وہ خود بھی دعائیں کرتے تھے اور ملنے والے دوستوں اور بزرگوں سے بھی اس خواہش کا اظہار کرتے، دعا کے لئے درخواست کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نیت اور ارادہ سے وہ خدا سے اولاد کی دعا کرتے رہے اور دعائیں کرواتے رہے اور میری ہوش کے زمانے میں اسی نہج پر میری تربیت کرتے رہے۔ اپنی نمازوں خصوصاً تہجد میں اونچی آواز سے قرآنی دعائیں اور حضرت مسیح موعودؑ کی منظوم دعائیں کرتے رہے۔ میری اِس وقت تک کی زندگی میں مجھ پر بہت سے حادثات و واقعات آئے لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے زندگی بخشی اور اپنے فضل سے بچاتا رہا۔ یہ اِنہیں دعاؤں کا نتیجہ تھا جو میرے والدین کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبلغین کی جماعت میں شامل ہونے کی سعادت بخشی۔ الحمد لله۔ سچ ہے۔ ؎

تجھے دنیا میں ہے کس نے پکارا کہ پھر خالی گیا قسمت کا مارا

ذیل میں ان واقعات میں سے چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) 1947ء میں پاکستان بننے کے بعد کشمیر کی جنگِ آزادی شروع ہوئی۔ چارکوٹ نامی ہمارا ایک گاؤں تھا اور وہاں بہت بڑی احمدیہ جماعت تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں قائم ہوئی۔ اس وقت میرے خاندان

میں احمدیت کی پانچویں نسل جاری ہے۔الحمد للہ۔

جنگِ آزادی میں ہماری جماعت کے بہت سے خدام شریک ہوئے۔ وہ صرف بندوق چلانا جانتے تھے، باقاعدہ تربیت یافتہ فوجی نہ تھے لیکن ایک جذبہ تھا۔ ان میں ایک ایسے دوست بھی تھے جو دوسری عالمگیر جنگ میں بھی شریک ہو چکے تھے۔ ان کا نام عبدالکریم ہے۔ ہمارے گاؤں سے محاذ قریب تھا۔ ہم دن کو پہاڑوں میں چھپ کر ہوائی حملے اور توپوں کے گولوں کا نظارہ دیکھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہمارے مجاہد اسلحہ سمیت گھر آجایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن عبدالکریم صاحب بھی گھر آئے ہوئے تھے۔ خاکسار اس وقت بچہ تھا۔ گیارہ بارہ سال کی عمر تھی۔ میں وہاں سے گزر کر اپنے موسم گرما والے گھر جا رہا تھا۔ ان کو بچوں کے ساتھ دیکھا تو ان کے پاس چلا گیا۔ ان کی 303 بندوق پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اُٹھا کر لبلبی دبائی تو تڑاخ سے گولی چلی۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ سامنے ان کے دو تین بچے کھیل رہے تھے۔ گولی ان کے درمیان سے ہو کر گزر گئی۔ یہ نظارہ میرے سامنے ہے کہ بچے سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ اس پر محترم عبدالکریم صاحب نے مجھے سخت سست کہتے ہوئے رائفل مجھ سے لے کر جلدی سے کھوکھا نکال کر بندوق کی نالی دیوار کی طرف کر کے لبلبی دبائی تو دوسری گولی چل گئی۔ میں بالکل ساتھ کھڑا تھا۔ غصہ میں انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ میگزین میں ابھی راؤنڈ ہیں۔ حسنِ اتفاق سے گولی پتھروں کی دیوار میں کسی دراڑ سے ہو کر دیوار کے اندر چلی گئی۔ اگر پتھر پر لگتی تو غالب امکان تھا کہ وہ ٹکرا کر واپس مجھے نقصان پہنچاتی۔ یہ واقعہ جب بھی مجھے یاد آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعہ والد صاحب کی وفات کے بعد کا ہے۔

(2) جنگِ آزادی کشمیر کی وجہ سے ہمیں اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا۔ دشمن نے رات کے وقت حملہ کیا۔ آدھی رات کے وقت فائرنگ شروع ہو گئی۔ توپوں کی گولیوں کی گھن گرج اور روشنی سے سارا علاقہ خوف و ہراس کا شکار تھا۔ فصل پکے ہوئے تھے۔ لیکن لوگوں کو اپنی

عزت اور جان کا خطرہ تھا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی لوگ اپنا گھر بار، مال مویشی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ میری والدہ مرحومہ نے بھی اپنے جانوروں کو کھولا اور جو معمولی چیزیں وہ اُٹھا سکتی تھیں اُٹھا کر نکل پڑیں۔ میری چھوٹی بہن حمیدہ کو بھی اُٹھانا تھا۔ میرا چھوٹا بھائی مشتاق احمد بیمار تھا اس کو بھی کبھی اُٹھانا پڑتا تھا۔ صبح ہوتے ہی ہندوستان کے ہوائی جہاز آ گئے اور بمباری شروع کر دی۔ ایک دن کے سفر کے بعد میں بیمار ہو گیا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ کوئی بھی کسی کا پُرسان حال نہ تھا۔ بخار اتنا شدید کہ میں چلنے کے قابل نہ رہا۔ اتفاق سے ایک بھینس ہمارے ساتھ آ رہی تھی۔ میری والدہ نے مجھے اس پر بٹھا کر سفر جاری رکھا۔ لیکن میں نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ سفر پہاڑی تھا۔ میں ایک دن ہچکولے سے بھینس سے گر گیا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میرا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ خون نکل رہا تھا اور میری والدہ اشکبار آنکھوں سے مجھے گود میں لئے ہوئے تھیں۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میری والدہ کی حالت بہت قابل رحم تھی۔ میری اس حالت کو دیکھ کر میرے تایا جان دوست محمد صاحب نے اپنا سفری سامان پھینک کر مجھے اُٹھالیا۔ مجھے خونی اسہال کی تکلیف ہو گئی۔ سفر جاری تھا۔

چک جمال رفیو جی کیمپ سے ہوتے ہوئے ہم رفیو جی کیمپ مانسر اٹک پہنچے۔ لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ کئی ہفتوں سے بے ہوش تھا۔ عزیز و اقارب میری زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے لمبی بیماری کے بعد شفا دی۔ رفیو جی کیمپ مانسر میں ہمارے ایک احمدی بزرگ ڈاکٹر احمد دین صاحب تھے۔ میں ان کے زیرِ علاج رہا۔ وہ میری والدہ مرحومہ کی بے چینی اور درد بھری داستان سے متاثر ہو کر دعائیں بھی کرتے اور علاج بھی۔ ہوش میں آنے پر میرے لئے پھل بھی منگواتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ جس دن میں ہسپتال سے فارغ ہو کر کسی کے ساتھ اپنی رہائش گاہ کی طرف آ رہا تھا۔ کیونکہ مجھے اپنی رہائش گاہ کا علم نہ تھا تو راستہ میں لوگ دو بیماروں کو چارپائیوں پر اُٹھائے آ رہے تھے۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ میرا چھوٹا بھائی اور والدہ ہیں۔ بھائی اسی رات

فوت ہوگیا اور صبح والدہ بحالتِ بیماری اپنے ننھے بیٹے کا جنازہ لے کر آ گئیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے زندگی دی اور اس لمبی اور مہلک بیماری کے بداثرات سے بچایا۔ الحمدلله الذی عافانی۔

(3) والد صاحب جوانی کے عالم میں فوت ہو گئے۔ وفات سے پہلے کئی دن بیہوش رہے۔ مگر وفات سے کچھ پہلے ہوش میں آ گئے اور میری والدہ کو بلا کر اپنی دیرینہ خواہش وصیت کے طور پر ان کو بتائی اور وہ یہ کہ بشیر احمد کو پڑھانا ہے خواہ اس کے لئے مال گائے بھینس جو بھی فروخت کرنا پڑے۔ والدہ صاحبہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آج آپ ٹھیک ہیں۔ انشاء اللہ ایسا کریں گے۔ لیکن آپ نے کہا یہ میری وصیت ہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے۔ انا لله و انا الیه راجعون۔ دوسرے سال ہمیں وطن چھوڑنا پڑا۔ وہ سب چیزیں جو بیچ بٹا کر پڑھانا تھا چھوٹ گئیں اور ہم خالی ہاتھ پاکستان آ گئے۔ اس سفر کے دوران جو ہم پر گزری اس کا مختصر ذکر کیا ہے۔ جب میں بیماری سے اُٹھا تو والدہ صاحبہ نے مجھے کہا کہ اب آپ کے والد صاحب کی وصیت کا معاملہ ہے۔ آپ حضور انور (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کو لکھیں کہ مجھے جامعہ میں داخلہ دیا جائے۔ اس وقت مڈل پاس کو داخلہ ملتا تھا اور وہ سال مڈل پاس والوں کے لئے آخری موقع تھا۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں لکھا۔ نظارتِ تعلیم کی طرف سے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے مجھے بلایا گیا۔ چنانچہ مئی 1949ء میں خاکسار مولوی غلام احمد نسیم صاحب کے ساتھ احمد نگر آ رہا اور مدرسہ احمدیہ میں داخل کر لیا گیا۔ الحمد لله الذی هدانی لهذا۔ ان دنوں جامعہ احمد نگر میں تھا۔

ستمبر 1949ء میں دریائے چناب میں سیلاب آیا۔ احمد نگر بھی سیلاب کا پانی پہنچا۔ گاؤں سے میں دوسرے طلبا کے ساتھ تیر کر سڑک پر آ گیا۔ جب واپس جا رہا تھا تو تھک گیا اور ڈوبنے لگا۔ غوطے کھا رہا تھا۔ شور پڑ گیا کہ وہ ڈوبا، وہ ڈوبا۔ گاؤں کی طرف سے تیراک طلباء نے پانی میں چھلانگیں لگائیں اور مجھ تک پہنچے۔ میں نے اس وقت تک الٹا تیرنا شروع

کر دیا تھا اور سنبھل بھی گیا تھا۔ دوسرے طلباء میرے ساتھ تیرتے ہوئے اور میرا حوصلہ بلند کرتے ہوئے مجھے کنارے تک لے گئے۔ لیکن میرا پیٹ پھول گیا تھا۔ میرے پیارے اور مہربان استاد چوہدری غلام حیدر صاحب ہمارے ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ بھی تھے۔ وہ بہت ناراض ہوئے کہ اگر تم اچھے تیراک نہ تھے تو اتنی دور کیوں گئے تھے۔ بہر حال اس غرقابی سے بھی اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ الحمد للہ۔

(4) یہ واقعہ بھی احمد نگر کا ہے۔ سردی کے دن تھے۔ ظہر کی نماز کے لئے جامعہ میں وقفہ ہوا۔ میں وضو کر کے دوڑتا ہوا مسجد احمد یہ احمد نگر میں اذان دینے کے لئے آیا۔ مسجد کی چھت پر اذان ہوا کرتی تھی۔ میں بھی تیزی سے اوپر چڑھا۔ سانس پھولی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں اذان دینی شروع کر دی۔ ابھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ دو دفعہ ہی کہا تھا کہ بیہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑا۔ گرنے کی آواز سن کر مسجد سے کچھ دوست اُوپر آ گئے۔ آواز کے بند ہو جانے سے گاؤں کے لوگوں نے بھی میرے گرنے کو دیکھا کیونکہ وہ دھوپ میں اپنی چھتوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ الحمد للہ کہ میں جلدی ہوش میں آ گیا۔ میڈیکل چیک اَپ کرایا گیا خدا کے فضل سے کوئی بیماری یا نقص ظاہر نہ ہوا۔

(5) گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کا واقعہ ہے، ایک دن مرزا غلام مصطفیٰ صاحب کے ساتھ سارا دن ان کے زیرِ تبلیغ دوستوں سے ملاقات کے لئے گاؤں گاؤں پھرتے رہے۔ مئی جون کے دن تھے۔ کئی جگہ سے سوڈا واٹر اور گندا پانی پینے کی وجہ سے ہیضہ کی شکایت ہو گئی۔ آدھی رات کے بعد تکلیف شروع ہوئی۔ میری اہلیہ محترمہ مجھے سنبھالتی رہیں۔ کچھ قہوہ بھی بنا کر دیا۔ حالت نازک ہو گئی۔ نماز کے لئے دوست آئے۔ میری حالت دیکھ کر گھبرائے۔ مجھے اٹھا کر فوراً ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کو گھر سے بلایا گیا۔ بہت اچھے ڈاکٹر تھے، میاں بیوی ڈاکٹر تھے۔ ہمارے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ اطلاع ملتے ہی ہسپتال آ گئے۔ اس دن جمعہ تھا۔ ربوہ بھی اطلاع کر دی گئی۔ مسجد مبارک میں بھی دعا کا اعلان ہوا۔

کئی دوستوں نے فون پر خیریت دریافت کی اور کچھ میری تیمارداری کے لئے گوجرہ بھی گئے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ایک دن رات ہسپتال رہنے کے بعد واپس گھر آ گیا۔ یہ واقعہ بھی دوبارہ زندگی دینے والی بات ہے۔ الحمد للہ الحی القیوم۔

(6) گرمولہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ میں اپنے ایک ماموں زاد کی شادی میں مع اہل وعیال شمولیت کے لئے گیا۔ جس روز واپسی تھی اس رات کو بہت بارش ہوئی۔ تیز آندھی اور ہوا سے بہت سے درخت ٹوٹ گئے، جڑوں سے اکھڑ گئے۔ رشتہ داروں کا اصرار تھا کہ آج نہ جائیں۔ مجھے چھٹی نہ تھی، سرگودھا ضلع میں نیا نیا تبادلہ ہوا تھا اس لئے جلد واپس آنا چاہتا تھا۔ ٹانگہ کا انتظام کیا گیا۔ راستے میں ایک بڑا کیکر کا درخت گرا ہوا تھا۔ گاؤں والوں نے اس کی شاخیں کاٹی ہوئی تھیں مگر بعض بڑی بڑی ٹہنیاں لوہے کی سلاخوں کی طرح کھڑی تھیں۔ جب ٹانگہ تیزی سے اس کو پاس کرنے لگا تو اس کا پہیہ ایک شاخ میں الجھ گیا اور ٹانگہ اچھل کر الٹ گیا۔ گھوڑا گر پڑا۔ میرے سارے بچے سوائے نصیر احمد قمر کے کیونکہ وہ ہمارے ساتھ نہ تھا، پچھلی سیٹ سے اچھل کر اس طرح گرے جس طرح بھٹی سے دانے اچھلتے ہیں۔ خاکسار مع بیوی اور دو چھوٹے بچوں (غالباً مظفر اور امتہ الحی) کے آگے بیٹھے تھے۔ ہم آگے کی طرف گرے۔ خدا کا فضل ہوا کہ کوئی بچہ ان نوکدار شاخوں پر نہ گرا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ فرشتوں نے پکڑ کر صاف جگہ پر گرایا ہے۔ ورنہ یہ بہت خطرناک حادثہ ہوتا۔ صرف میری اہلیہ مرحومہ کے ہاتھ اور کہنی پر معمولی زخم آئے جو جلد ٹھیک ہو گئے۔ فَاللّٰہُ خَیرٌ حَافِظاً وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

(7) سرگودھا کا ہی واقعہ ہے کہ میری رہائش سیٹلائٹ ٹاؤن اے بلاک میں تھی۔ ایک دن میں بازار سے سائیکل پر واپس آ رہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار کار نے ایک موڑ اس طرح کاٹا کہ میری سائیکل کے پیڈل کو ہلکا سا دھکا دے کر گزر گئی۔ میں سڑک پر گر گیا۔ سائیکل دوسری طرف جا گری لیکن اس لاپرواہ ڈرائیور نے اس کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی اور نہ

ہی دوسرے راہگیروں نے۔ مجھے معمولی سی چوٹیں آئیں جو میرے کام میں تو حارج نہ ہوئیں البتہ مجھے دوتین دن تک گرم پانی کی ٹکوریں کرنا پڑیں۔ اگر اس وقت کوئی اور ایسی ہی کار آجاتی جب میں سڑک پر گرا ہوا تھا پھر جو انجام ہوتا آپ خود تصور کر سکتے ہیں۔

(8) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلی دفعہ 1975ء میں مغربی افریقہ کے ملک غانا جانے کا موقع بخشا۔ اس ملک میں تین دفعہ بھیجا گیا۔ پہلی دفعہ ٹیچمان برآنگ آہافو ریجن میں رہا۔ وہاں کا بھی ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ ایک دن ہم دعوتِ الی اللہ کے لئے چلے گئے۔ سارا دن گاؤں میں گھر گھر پھرتے رہے۔ سکولوں اور اساتذہ اور بچوں سے ملاقات کی اور اسلامی عقائد کو بیان کیا، اسلام کا تعارف کرایا۔ دھوپ تیز تھی۔ مجھے سن سٹروک کی تکلیف ہوگئی۔ انتہائی ضعف۔ نصرت جہاں احمدیہ ہسپتال مرکز سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اگلے روز صبح کے وقت ڈاکٹر صاحب کو دکھانے کے لئے گیا۔ انہوں نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ میں واپس آگیا۔ لیکن حالت نازک ہوتی گئی۔ اب میرا چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ بار بار ڈاکٹر صاحب کو پیغام بھیجا مگر وہ وقت نہ نکال سکے اور میری درخواست کو مذاق سمجھا۔ مجھے تشنج شروع ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں سکڑنے شروع ہو گئے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا۔ میں سر دھوتا، آنکھوں میں پانی ڈالتا۔ عجیب حالت تھی۔ میں نے بمشکل مشن کے حسابات کے متعلق کچھ ہدایات تحریر کر کے سرہانے رکھ لیں اور بظاہر آخری وقت کے لئے تیار ہو گیا۔ چند مقامی احمدی میرے پاس تھے اور حیران کہ ڈاکٹر کیوں نہیں آیا۔ مغرب کے وقت ڈاکٹر صاحب مع بیگم صاحبہ کے جو خود بھی ڈاکٹر تھیں تشریف لائے۔ میں تو بات نہ کر سکا اگرچہ مَیں ہوش میں تھا۔ وہ دیکھتے ہی پریشان ہو گئے اور چند منٹ کے لئے چلے گئے۔ ہسپتال سے ڈرپ، انجکشن، ضروری ادویہ اور ایک ڈسپنسر لے کر آ گئے۔ اب ڈرپ نہیں لگ رہی تھی۔ کئی دفعہ اور کئی جگہ سوئی لگانے کی کوشش کی آخر کامیابی ہوئی۔ رات دس بجے تک دونوں میاں بیوی از راہِ شفقت میرے پاس بیٹھے رہے۔ جزاھما اللہ۔ پھر اپنے ایک احمدی کمپاؤڈر ابوبکر نومسلم کو کچھ ہدایات دے کر چلے گئے اور کہتے گئے کہ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو فوراً اطلاع

دینا۔ دوائی اور ڈرپ کے بعد دواڑھائی گھنٹے کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے اپنی بیوی (امۃ الحفیظ) کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے سبز رنگ کا سوٹ پہنا ہوا ہے اور وہ بہت خوبصورت اور خوش لگتی ہیں۔ اس خواب کے ساتھ مجھے یقین ہو گیا کہ اس بیماری میں میری وفات نہیں ہوگی۔ جب میں نے ان کو اپنی بیماری اور صحت کی اطلاع دی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اس دن جس دن آپ پر بیماری کا حملہ ہوا تھا میں یہاں غیر شعوری طور پر اداس اور بے چین تھی۔ دل تڑپ رہا تھا اور رونے کو دل کرتا تھا۔ چیخیں مار مار کر رونا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے بزرگوں کے پاس جا کر اس بیتابی کی حالت میں دعا کی تحریک کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں ان کو میرے لئے دعائیں کرنے اور کروانے کی تحریک کی وہاں ان کے میرے ساتھ دلی لگاؤ اور محبت کا اظہار کیا۔ **فجزاھا اللّٰہ تعالیٰ۔**

(9) دوسری دفعہ 1978ء میں مجھے دوبارہ غانا بھجوایا گیا۔ اور میرا حلقہ ٹمالے شمالی ریجن مقرر کیا گیا۔ یہ علاقہ نسبتاً گرم ہے۔ اس ریجن میں مسلمانوں کی آبادی بھی زیادہ ہے۔ اب کی دفعہ مجھے ملیریا کا سخت حملہ ہوا۔ ان دنوں فوجی انقلاب کی وجہ سے رات نو بجے سے صبح پانچ بجے تک کرفیو ہوتا تھا۔ ایک رات مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور پسینہ بہت آتا تھا۔ میرے کپڑے پسینہ سے تر تھے۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ اس دن مجھے موت کا خیال آرہا تھا۔ جب کرفیو کا وقت ختم ہوا تو میں نے مقامی معلم کو جو میرے پاس تھا آواز دے کر کہا کہ ڈاکٹر لال صاحب کو فون کر کے میری حالت ان کو بتاؤ۔ وہاں ایک ہندو ڈاکٹر لال ہسپتال میں ہوتے تھے۔ بہت اچھے اور ہمدرد انسان تھے۔ ان کی بیگم نے سن کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب سوئے ہوئے ہیں جب آٹھ بجے ہسپتال جائیں گے تو وہ آپ کو دیکھتے جائیں گے۔ میں ان کو پیغام دے دوں گی۔ فون بند ہو گیا لیکن دس پندرہ منٹ کے بعد ڈاکٹر صاحب دوائیں اٹھائے ہوئے بلڈ پریشر دیکھنے کا آلہ لئے ہوئے نائٹ ڈریس ہی میں مشن ہاؤس آگئے اور آتے ہی مجھ سے سوال کیا کہ سینہ میں کوئی درد تو نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے بلڈ پریشر چیک کیا۔ تھرمامیٹر سے بخار وغیرہ دیکھنے کے بعد مجھے تسلی دی۔ اسی وقت ایک

احمدی میل نرس کو بلا کر جس کا مکان مشن ہاؤس کے قریب ہی تھا اور وہ ہسپتال میں ملازم تھا نسخہ دیا کہ فوراً ہسپتال سے یہ دوائیں لے آؤ۔ پھر مجھے بتایا کہ جب آپ نے فون کیا اگر چہ میں لیٹا ہوا تھا لیکن جاگتا تھا۔ جب میں نے اپنی بیگم سے پوچھا کہ کون تھا تو اس نے آپ کا نام لے کر حالت بیان کی تو پھر میرے لئے آٹھ بجے تک انتظار کرنا مشکل تھا اس لئے میں فوراً اسی لباس میں آ گیا۔ جزاھم اللہ۔ انہوں نے کہا کہ یہ ملیریا بخار کی وجہ سے ہوا ہے۔ الحمد للہ شافی مطلق نے مجھے اس مرض سے شفا دی۔

(10) تیسری دفعہ مجھے پھر 1984ء میں غانا بھجوایا گیا۔ اب کے میری تقرری اپر ریجن (U.R) میں ہوئی جس کا ریجنل ہیڈ کوارٹر وا (WA) تھا۔ وا قصبے کی اکثر آبادی مسلمانوں کی ہے۔ عیسائیوں نے 1928/29ء میں جب کہیں وہاں اپنا مشن قائم کرنا چاہا تو مسلمانوں نے سخت مخالفت کی اور ان کو آبادی میں جگہ نہ دی۔ انہوں نے قصبہ سے ہٹ کر وسیع جگہ حاصل کر لی اور قصبہ کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اب وہاں ان کے مختلف فرقوں کے بڑے بڑے گرجے، طبی اور تعلیمی ادارے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ 1933/34ء کے قریب وہاں قائم ہوئی۔ اس علاقے کے ایک با اثر دوست الحاج امام صالح احمدی ہوئے۔ سخت مخالفت ہوئی، لڑائی جھگڑے ہوتے رہے اور احباب نے قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا لیکن صداقت پر قائم رہے۔ آہستہ آہستہ جماعت نے مقامی طور پر ترقی کی۔ غانا میں مقامی اور ایک ہی قبیلہ کی یہ بہت بڑی جماعت ہے۔ اس وقت وہاں ہمارے کئی تعلیمی ادارے ہیں۔ کے جی، پرائمری، مڈل، جونیئر اور سیکنڈری سکول کے علاوہ ایک ٹیچرز ٹریننگ کالج بھی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ۔

مجھے یہاں بھی ایک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک دن ہم وا سے 60/70 کلومیٹر دور دورہ پر گئے۔ رات کے دس بجے وہاں سے واپسی ہوئی۔ میرے ساتھ مسٹر کی ڈرائیور تھے اور عبداللہ بن صالح ترجمان تھے۔ ایک سنسان جنگل سے گزر رہے تھے کہ سامنے ایک موڑ آ گیا۔ ڈرائیور اندازہ نہ کر سکا۔ کار سیدھی جھاڑی میں چلی گئی اور ریت میں پھنس گئی۔

آس پاس بڑی بڑی اونچی خشک گھاس کھڑی تھی۔ جب میں پچھلی سیٹ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کار کے نیچے گھاس میں آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ ادھر ٹینکی پٹرول سے بھری ہوئی۔ میں نے ڈرائیور اور ترجمان کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے بدحواسی میں ہاتھوں سے آگ بجھانا شروع کی۔ وہ بھی باہر آگئے۔ دعائیں کرتے ہوئے درختوں کی سبز شاخوں سے چند لمحوں میں آگ پر قابو پالیا۔ جب دوبارہ انجن سٹارٹ کیا تو پھر آگ لگ گئی۔ پھر بجھا کر آخر فیصلہ کیا گیا کہ کار کو سپارک کرنے کی بجائے دھکا دے کر نکالا جائے اور یہ کہ یہاں سے تین چار میل دور ایک گاؤں ہے ایک دوست وہاں جائے وہاں کچھ احمدی بھی ہیں ان کو لایا جائے اور دھکا سے کار کو نکالا جائے۔ دو تین آدمیوں کا یہاں کام نہیں۔ عبداللہ بن صالح فوراً چلے گئے۔ چاندنی رات تھی۔ جنگل کی خاموشی میں جنگلی پرندوں اور جانوروں کی عجیب آوازیں آرہی تھیں۔ ایک ٹرک کے آنے کی آواز آئی۔ ڈرائیور نے مجھے کہا کہ آپ سڑک پر آجائیں شاید آپ کو دیکھ کر ٹرک رک جائے اور وہ ہماری مدد کر سکیں ورنہ اس جنگل میں چوروں کے ڈر سے وہ نہیں رکے گا۔ میں سر پر پگڑی رکھ کر سڑک پر آگیا۔ ٹرک ڈرائیور نے کوئی سو گز آگے جا کر بریک لگائی۔ وہ ہمارے ڈرائیور کا واقف نکلا۔ ٹرک میں کافی مسافر تھے۔ وہ دھکا دے کر کار نکال کر سڑک پر لے آئے اور ہمیں مبارکباد دی کہ آپ کی کار کے بڑے درخت سے ٹکرانے میں صرف چار پانچ انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ کیونکہ کئی دفعہ ایسے حادثے ہوئے ہیں کہ کاروں کی ٹینکی کو آگ نے پکڑ لیا اور اکثر دفعہ سواریاں بھی جل گئیں اور آگ نے ان کو نکلنے کا موقعہ بھی نہ دیا اور ان کی راکھ ہو جانے پر لوگوں کو حادثے کا علم ہوا۔ بہر حال کچھ دیر کے بعد مسٹر عبداللہ اور تین چار احمدی سائیکلوں پر ہمارے لئے چائے اور پانی لے کر پہنچ گئے۔ اس حادثے کا کئی دن تک طبیعت پر اثر رہا۔ لیکن ایک دوسری سوچ سے بہت محظوظ ہوا۔ وہ یہ کہ خدا نے اپنے مسیح موعود سے کئے گئے وعدوں کو کس شان سے پورا کیا کہ 'میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'۔ اس جنگل میں بھی اس مسیح پاک کے ماننے والے ہیں۔ اور یہ وعدہ بھی پورا ہوا کہ 'آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی

غلام ہے۔ الحمدللہ خدا تعالیٰ نے اس آگ سے ہمیں بچایا۔ الحمد لله الذی صدقنا وعدہ۔ اس کی اطلاع حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کو بھی تفصیلاً دی گئی۔ حضور انور نے بھی دعاؤں کے ساتھ مبارکباد دی۔ جزاھم الله احسن الجزاء۔

(11) 1993ء کی بات ہے۔ مجھے مرکز کی طرف سے کوٹلی آزاد کشمیر ایک جلسہ میں شمولیت کے لئے مرکزی نمائندے کے طور پر بھجوایا گیا۔ بمقام چرناڑی جلسہ تھا۔ جلسہ کے بعد ایک احمدی کی جیپ پر ہم تتہ پانی کے لئے روانہ ہوئے کہ وہاں پہنچ کر ہم حضور انور کا خطبہ سنیں گے۔ جیپ بڑے مشکل راستہ سے تو نکل آئی لیکن گوئی کے نالہ کو عبور کر کے جیپ چڑھائی چڑھ رہی تھی تو اس کی بریک نے کام کرنا چھوڑ دیا اور وہ پیچھے کی طرف لڑھکنا شروع ہوگئی۔ دائیں طرف پہاڑ تھا اور بائیں طرف خطرناک گہرا کھڈ۔ کچھ دوستوں نے چھلانگیں لگائیں۔ بعض کو چوٹیں بھی آئیں۔ خاکسار فرنٹ سیٹ پر ڈاکٹر بشیر احمد صاحب امیر ضلع کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ڈرائیور نے عقلمندی اور ہوش وحواس کو قائم رکھتے ہوئے جیپ کو دائیں طرف پہاڑ کے ساتھ ٹکرا دیا اور وہ ٹکر لگتے ہی سڑک پر گر گئی۔ کئی دوستوں کو چوٹیں آئیں۔ ڈاکٹر صاحب تو جلدی نکل گئے۔ میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ سنبھلتے سنبھلتے ڈیزل میرے کپڑوں پر گر گیا۔ بمشکل باہر نکلا۔ الحمدللہ کہ کوئی زخم نہ آیا۔ البتہ چند دوستوں کو معمولی زخم آئے۔ سب خیریت سے تھے۔

خاکسار کا طریق ہے کہ سفر میں خواہ اسی دن واپسی ہو، کپڑوں کا ایک زائد سوٹ رکھ لیتا ہے۔ چنانچہ میں نے کپڑے تبدیل کئے۔ اس حادثے کی خبر کوٹلی پہنچ گئی تھی۔ کوٹلی کے احباب پریشان انتظار کر رہے تھے۔ ہم دیر سے کوٹلی پہنچے۔ وہاں عزیزم عبدالسلام کے ہاں رات گزاری۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس علاقہ کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ جب آپ کو اس حادثے کا علم ہوا تو حضور نے از راہِ شفقت خط لکھا جس میں زخمیوں کی جلد صحت یابی کی دعا اور بڑے نقصان سے محفوظ رہنے پر مبارکباد دی۔

(12) 1995ء کی عید الفطر کی نماز کے لئے خاکسار اپنے مکان واقعہ دارالنصر

غربی ربوہ سے سائیکل پر روانہ ہوا۔ میری درمیانی بہو عزیزہ امتہ الوحید اہلیہ حافظ ناصر احمد قمر صاحب میرے ساتھ تھیں۔ چھوٹی بہو عزیزہ عطیہ اپنے شوہر مظفر احمد قمر صاحب کے ہمراہ اپنی امی کے پاس عید منانے کے لئے راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ ہم عید کی نماز سے 15/20 منٹ پہلے گھر سے نکلے۔ جب سڑک پر آئے تو وہاں بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ کچھ بچے، بوڑھے، جوان، ٹرکوں پر سوار ہو رہے تھے۔ ٹرک بھی احمدی احباب کے تھے۔ ایک ٹرک کے پاس سے جو ہم گزرے تو ٹرک نے چلنا شروع کر دیا۔ اس کی ایک زنجیر لٹک رہی تھی جس کے آگے ہُک (کنڈی) سی بنی ہوئی تھی۔ وہ جھومتی ہوئی ہماری سائیکل کے اگلے پہیے میں پھنس گئی۔ ٹرک کچھ تیز ہو گیا۔ جھٹکے سے امتہ الوحید پیچھے سے گر گئی۔ چند گز چلنے کے بعد سائیکل میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ نہ جانے کس طرح میں سیدھا پاؤں کے بل زمین پر گرا۔ سائیکل ایک فرلانگ تک گھسٹتی ہوئی آگے چلی گئی۔ لوگوں نے شور ڈالا تب جا کر ٹرک رکا۔ مجھے کئی دن تک پنڈلیوں اور رانوں میں درد رہا۔ زخم تو کوئی نہ آیا۔ لیکن دباؤ کی وجہ سے رانوں اور پنڈلیوں میں درد رہا۔ میں کئی دن تک نماز کے لئے مسجد نہ جا سکا۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے تمہیں سائیکل سے اتار کر نیچے کھڑا کر دیا۔ اور اگر سائیکل نہ چھوٹتی تو خطرہ تھا کہ میں جھٹکے سے ٹرک کے نیچے آ جاتا یا اس کے ساتھ سر ٹکرانے سے کسی شدید صدمے کا شکار ہو جاتا۔ خوشی کے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مجھے، میرے خاندان، دوستوں اور خیر خواہوں کو کسی افسوسناک حادثے سے محفوظ رکھا۔ اَلْحَمدُ لِلّٰہِ۔ فَاللّٰہُ خَیرٌ حَافِظاً وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ

(الحدیث)

ہمارے مربی اعظم رحمۃ للعالمین، محسن انسانیت، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بے شک ایک عظیم مربی وراہنما تھے۔آپؐ نے بنی نوع انسان سے انتہائی پیار اور ہمدردی کا سلوک کیا۔اس کے لئے بہت دکھ اٹھائے، ہر حال میں اس کی بہتری کا سوچا، اس کی عزت نفس اور ابدی زندگی اور بقا کا خیال رکھا۔وہ زندوں کے لئے بہترین معلم اور خیر خواہ تھے اور وفات یافتہ لوگوں کے لئے بھی سراپا رحمت تھے۔آپؐ نے ہر حال اور موقعہ پر انسان کو تعمیر اخلاق کا سبق دیا۔ایسی ہدایات سے نوازا جن پر عمل پیرا ہوکر اسے ابدی زندگی، بقا اور نیک شہرت حاصل ہو۔خوشی کے موقعہ پر خوشی منانے کے ایسے طریق وآداب سکھائے تا وہ اپنے مقصد حیات کو بھول نہ جائے اور خوشی کی لہر میں آکر خدا سے دور ہوکر ظلمت وگمراہی میں مبتلا ہوکر ذلت ورسوائی کا شکار نہ ہو جائے۔غمی اور دکھ میں بھی ایسی راہنمائی فرمائی جس سے دکھی انسان کی عزت اور شرف قائم ہو اور اسے اپنا مستقبل سنوارنے کی تحریک ہو اور پسماندگان کے لئے نیک نامی اور فخر کا باعث۔

خاکسار اس وقت وفات یافتہ احباب کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی ایک سنہری اور انمول نصیحت کا ذکر کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سچ مچ زندوں کے علاوہ وفات یافتہ لوگوں کے لئے بھی محسن حقیقی اور سراپا رحمت وشفقت تھے۔وفات یافتہ لوگوں کی جدائی پسماندگان کے لئے بہت تکلیف دہ حادثہ ہوتا ہے۔مختلف اقوام وممالک میں ایسے موقعہ پر عجیب وغریب رنگ میں اس دکھ کا اظہار کرنے اور تعزیت کرنے کے طریق رائج ہیں۔کہیں ناچ گانے سے، کہیں شراب کی مجالس سے، اچھے اچھے کھانے پکانے سے، کہیں توپوں کی اور بندوقوں کی فائرنگ سے اور یہ رسومات بعض اوقات

پسماندگان کے لئے ایک طوق اور تکلیف مالا یطاق بن جاتی ہیں۔ اس کے برعکس آنحضرت ﷺ نے چند لفظوں میں مرنے والوں کی تعزیت کا ایسا حسین طریق بتایا جو ہر زندہ شخص کو ایک دعوت فکر دیتا ہے اور مرنے والے کی عزت وتوقیر کے قیام اور اس کی ستاری و پردہ پوشی کا عجیب رنگ میں سبق دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اُذْکُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَکُفُّوا عَنْ مَسَاوِیْھِم " (ترمذی ابواب الجنائز)۔ کہ ایسے موقعہ پر اپنے وفات یافتہ لوگوں کی نیکیوں اور اعمال صالحہ، نیک اخلاق و عادات، حُسنِ معاملات وحُسنِ سلوک کا ذکر کیا کرو اور ان کی کمزوریوں اور برائیوں کے بیان کرنے سے اپنی زبان کو روک رکھا کرو۔

ان چند الفاظ میں معلم حقیقی ﷺ نے جہاں مرحومین کی خوبیوں اور صفات حسنہ کا ذکر کرنے کا ارشاد فرما کر وفات یافتہ افراد کی نیکیوں کو جاری وساری اور دوام بخشنے کی ہدایت فرمائی۔ وہاں پسماندگان کی عزت وفخر اور وقار کا سامان بھی فرمایا اور ان کو بھی اپنے اخلاق وعادات، معاملات وسلوک کی اصلاح کرنے کی برمحل اور مؤثر تحریک فرمائی کہ آج سے آپ بھی اپنے لئے ذکر خیر چھوڑنے کا سامان کرو۔ اور اس طرح کرنے سے گویا جانے والا، حاضرین اور پسماندگان اور تعزیت کرنے والوں کے لئے ایک عظیم سبق دے گیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو دوسروں کو نیکی کی تحریک کرتا ہے اور ان کی نیک تبدیلی کا موجب بنتا ہے ان کے نیک اعمال سے اس واعظ کو بھی اسی طرح ثواب ملتا ہے جیسا کہ وہ نیک اعمال بجالانے والے کو۔ اس دنیا سے جانے والا عملاً یہ نصیحت کرتا ہوا جدا ہوتا ہے ۔

اے حُب جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں — اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر — سوچو تو اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر
اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے — اک دن یہ صبح زندگی کی، تم پہ شام ہے
اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے — پھر دفن کر کے گھر میں تأسف سے آئیں گے

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل وسینہ پاک ہو　　نفس دَنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

اے دوستو پیارو عقبیٰ کو مت بسارو　　کچھ زادِ راہ لے لو کچھ کام میں گزارو

دنیا ہے جائے فانی دل سے اسے اتارو

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت کہ وفات یافتہ لوگوں کی کمزوریوں اور عیوب کا ذکر نہ کیا کرو بلکہ ان کی خوبیوں اور نیکیوں کا اس موقع پر تذکرہ کیا کرو، یہ ایک ایسی پُر حکمت اور قیمتی نصیحت ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو اس طرح مرحوم رمرحومہ کے خاندان اور عزیزوں کی ہمدردیاں حاصل کی جاسکتی ہیں، نفرتوں کی آگ بجھائی جاسکتی ہے اور معاشرہ کو جنت کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔ یہ ہدایت ہر زندہ کو یہ سبق دیتی ہے اور سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ میرا کوئی کیا یاد کرے گا، میری کون سی نیکی ہے جو یاد رکھنے یا بیان کرنے کے قابل ہے۔ یہی ہدایت قرآن کریم میں بھی ہے اور وہ اس آیت میں ہے ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (الحشر آیت ۱۹) کہ ہر شخص اس بات پر غور کرے کہ اس نے اپنے مستقبل کے لئے کیا سامان کیا ہے جو اس کے کام آئے گا اور کونسی نیکیاں ہیں جو لوگ یاد رکھیں گے۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقصد عظیم کے لئے دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ قیامت تک کے لئے قرآن کریم میں محفوظ فرمادیا ہے۔ آپ کی دعا اس طرح ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْماً وَ اَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ. وَاجْعَلْ لِیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ (الشعراء: ۸۴۔۸۵) کہ اے میرے رب مجھے صحیح تعلیم عطا فرما اور نیکوں میں شامل فرما اور آئندہ آنے والی نسلوں میں میرے ذکر خیر کے سامان فرما۔

الغرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی اس سنہری ہدایت کی روشنی میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے ساتھ آج میں اپنی مرحومہ بیوی کا ذکر خیر کرنا چاہتا ہوں۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

☆......☆......☆......☆

مکرمہ امتہ الحفیظ قمر صاحبہ (مرحومہ)

میری اہلیہ مرحومہ کا نام امتہ الحفیظ تھا۔ آپ حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی رضی اللہ عنہ کی نواسی تھیں جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معہ اہل بیت ۳۱۳ اصحاب میں شامل فرمایا ہے جن کے اسماء حضور علیہ السلام نے کتاب انجام آتھم میں درج کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ تمام اصحاب خصلتِ صدق وصفا رکھتے ہیں اور حسب مراتب جس کو اللہ بہتر جانتا ہے بعض بعض سے محبت اور انقطاع الی اللہ اور سرگرمی دین میں سبقت لے گئے ہیں''۔

(انجام آتھم، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۵۲۳)

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ خالد احمدیت آپ کے حقیقی ماموں تھے۔ ان کو اپنے ماموں کے گھر بھی کچھ عرصہ رہنے کا موقعہ ملا۔ میرے خسر صاحب کا نام محمد حسین صاحب اور خوشدامن صاحبہ کا نام رمضان بی بی صاحبہ تھا۔ دونوں بہت نیک، تہجد گزار اور بہت دعائیں کرنے والے، بے ضرر وجود تھے۔ خواجہ محمد حسین صاحب بہت ہی پیاری اور پرسوز آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں اپنی بیٹی کے پاس یعنی ہمارے ہاں ہی رہے لیکن افسوس کہ جب ان کی اپنے اپنے وقت پر وفات ہوئی تو دونوں موقعوں پر مَیں بیرون ملک تھا اور میری بیوی نے تنہا اس صدمہ کو برداشت کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی اولاد کو ان کی نیکیاں زندہ اور جاری رکھنے کی سعادت نصیب ہو۔ دونوں موصی تھے اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَارْفَعْ دَرَجَاتِھِمَا وَاجْعَلْ لَھُمَا لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔

میری شادی ایسے حالات میں ہوئی کہ میں جامعۃ المبشرین کا طالب علم تھا اور شاہد

کے آخری سال میں تھا۔ مقبوضہ کشمیر سے 1948ء میں ترک سکونت کر کے پاکستان آئے تھے۔ شادی سے پہلے میرے والدین فوت ہو چکے تھے۔ ایک بہن حمیدہ بیگم چند سال کی میرے ساتھ تھی۔ جامعہ کے زمانہ میں ایک اور عزیز یتیم ولاوارث جو رشتہ میں میرا بھانجا ہے وہ بھی میرے ساتھ آملا۔ اس مختصر وظیفہ پر (جو چالیس روپے ماہوار ملتا تھا) اور جو صرف ایک طالبعلم کے گزارا کے لئے تھا ہم تین اس پر گزارہ کرتے تھے۔ خود کھانا پکاتا تھا۔ بہن بہت چھوٹی تھی۔ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب رحمہ اللہ نے جو اس وقت جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے از راہ شفقت احمد نگر میں جامعہ احمدیہ کا ایک کمرہ مجھے دیا ہوا تھا۔ اسی میں ہم سوتے، اسی میں کھانا پکاتے تھے۔ ایسے حالات میں میری ساس اور سسر بغیر کسی واقفیت یا راہ ورسم، تحریک واشارہ کے پہلے میاں فرمان علی صاحب خادم مسجد احمد نگر سے جو میرے خاندان اور بزرگوں سے واقف تھے حالات دریافت فرماتے رہے اور بالآخر اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم اس کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینا چاہتے ہیں۔ میاں فرمان علی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا جس کا مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے۔ میں نے اپنے حالات بتا کر ان سے معذرت کی لیکن 2 /دسمبر 1955ء بروز جمعتہ المبارک دس بجے کے قریب میاں فرمان علی صاحب نے اپنے بیٹے محمد اقبال کے ذریعہ مجھے مسجد احمدیہ احمد نگر بلایا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں برادرم محمد اسلم صاحب بٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے پوچھا کہ ہمارے پیغام کے متعلق آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے، کیا سوچا ہے۔ میں نے کہا کہ فیصلہ کس کے ساتھ کرنا تھا۔ نہ ماں باپ، نہ کوئی بہن بھائی جو اس معاملہ میں مشورہ دے۔ میرا یہی جواب ہے کہ آپ میرے بھائی اور آپ کے والدین میرے والدین۔ آپ اس معاملہ میں مجھے شرمندہ نہ کریں۔ اسلم صاحب نے کہا کہ 'اچھا ہم نے تو فیصلہ کرلیا ہے اور وہی میں نے آپ کو سنانے کے لئے بلایا ہے کہ 2 /جنوری 1956ء کو آپ کا رخصتانہ ہے۔ انشاء اللہ۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں' اور یہ کہہ کر اٹھ کر جانے لگے۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ کمرہ سے نکل گئے۔ میاں فرمان علی صاحب نے کہا کہ اب تو انہوں نے

تاریخ مقرر کر دی ہے۔ جب میں واپس گھر آیا تو تھوڑی دیر کے بعد حضرت منشی عبدالخالق صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن کا مکان میری رہائش گاہ کے قریب ہی تھا تشریف لائے اور مبارکباد دی کہ تو نے بتایا ہی نہیں۔ مجھے خواجہ محمد حسین صاحب نے بتایا ہے کہ ہم نے اپنی لڑکی کا قمر سے رشتہ کر لیا ہے۔ آدھ پون گھنٹہ کے اندر اندر احمد نگر کے بہت سے بزرگوں تک یہ خبر پہنچ گئی۔ میرے استاد قریشی محمد نذیر صاحب فاضل مرحوم نے جمعہ سے پہلے مجھے مبارکباد دے کر تسلی دی۔

جب رشتہ کی بات طے ہوگئی، تاریخ رخصتانہ بھی مقرر ہوگئی جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس دن گاؤں کے اکثر بزرگوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو علم ہو گیا تھا۔ میری حالت زار کا تو اکثر کو علم تھا۔ جب ان کے دوسرے رشتہ داروں کو علم ہوا کہ بے دست وپا ہے، بے گھر، بے در، یتیم، طالب علم۔ علاوہ ازیں دو یتیم بچوں کا زیر بار تو وہ میرے سسرال والوں کے فیصلہ پر تعجب کرتے۔ دوسری طرف لڑکی والوں کو میری ان تمام کمزوریوں کے باوجود اس رشتہ پر شرح صدر اور تسلی تھی۔ تو ان میں سے بعض نے یہ کہہ کر رضامندی اور تسلی کا اظہار کیا کہ چلو اور کچھ نہیں تو ایک بات تو ہے کہ کشمیری بٹ یعنی ہم قوم تو ہے نا۔ جب مجھے اس قسم کی گفتگو کا علم ہوا تو میں نے ایک خط برادرم محمد اسلم صاحب کو لکھا۔ اس کاغذ کا سائز ابھی تک میرے ذہن میں ہے۔ تین چار انچ چوڑا اور کافی لمبا سا تھا۔ میں نے اس میں بھائی صاحب کو لکھا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ بعض رشتہ داروں نے اس رشتہ کو اس بنا پر قبول کیا ہے اور اظہار اطمینان کیا ہے کہ میں کشمیری بٹ فیملی کا ممبر ہوں جو درست نہیں ہے۔ اگر یہی وجہ اطمینان اس رشتہ کی ہے تو اس فیصلہ پر نظر ثانی کر لی جائے کیونکہ میں بٹ یا خواجہ فیملی سے نہیں ہوں۔ میرے باپ دادا راجپوت بھٹی کہلاتے ہیں۔ باقی خدا جانے کہاں تک درست ہے۔ یوں رشتہ اور شادیوں کے معاملہ میں یہ کوئی شرط نہیں ہے۔ بے شک کفو شرط ہے اور اس میں قوم پیشہ کو مدنظر رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن رشتہ میں سرفہرست جو چیز رکھی گئی ہے اور جس کو اہمیت دی گئی ہے وہ تقویٰ ہے۔ بہر حال مَیں نے اس لئے لکھا ہے تا کہ بعد میں حقیقت

حال کا علم ہو کر آپ کی دل شکنی اور بدمزگی کا باعث نہ ہو۔ پہلے اس بات کے متعلق بات نہیں ہوئی ورنہ پہلے ہی بتا دیا جاتا۔ بہر حال آپ اپنے بزرگوں سے مل کر اس پر غور کر لیں۔ ابھی وقت ہے۔ بعد میں آپ کے لئے بعض رشتہ داروں کی طرف سے طعن و تشنیع اور دل شکنی کا موجب نہ ہو۔ یہ خط لکھ دیا۔ اس کے جواب کا منتظر رہا حتی کہ شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد ایک دن بھائی محمد اسلم صاحب نے اپنے کوٹ کی جیب سے وہ رقعہ نکال کر مجھے دیا کہ میں نے آپ کا خط سب کو سنا دیا تھا اور سب نے آپ کی صاف گوئی کو پسند فرمایا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

قصہ مختصر یہ کہ رخصتانہ کا وقت آ پہنچا۔ جلسہ سالانہ کے بعد رخصتانہ تھا۔ میں نے اپنے رشتہ داروں کو جو والدین کی طرف سے تھے اور خدا کے فضل سے بہت بڑی برادری ہے اکثر کو دعوت دی کہ شادی میں شریک ہوں۔ باوجود جلسہ سالانہ میں آنے کے شادی میں شریک نہ ہوئے۔ میرے حالات کے لحاظ سے ان کو یہ وہم تھا کہ دنیوی لحاظ سے کوئی لالچ اس لڑکے سے نہیں ہو سکتی ممکن ہے کہ لڑکی میں کوئی نقص ہو جو اس گونگے بہرے اور بے زبان کو پھنسا دیا ہو۔ میرا اس خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا سوائے اسلم بھائی کے حالانکہ وہ بھی احمد نگر گاؤں میں رہتے تھے۔ مَیں نے اپنی ساس صاحبہ کو رخصتانہ سے دس پندرہ دن پہلے بالمشافہ دیکھا اور بات ہوئی۔ وہ بھی اس طرح کہ جب یہ خبر پھیل گئی تو میرے ایک ماموں (جو میری والدہ کے چچازاد تھے ،ربوہ رہتے تھے) مکرم سیف علی صاحب (مرحوم) نے ساٹھ روپے بھیجے کہ سنا ہے تو شادی کر رہا ہے یہ میں قرضہ کے طور پر بھیج رہا ہوں کوئی چھوٹی موٹی چیز کم از کم ایک آدھ جوڑا کپڑوں کا لڑکی کے لئے بنوا لینا۔ لیکن مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں۔ تب میں نے اپنی چھوٹی بہن کو اپنے سسرال والوں کے پاس بھیجا کہ جاؤ جو ہماری ماں بننے والی ہیں ان کو بلا کر لاؤ۔ جب وہ آئیں تو میں نے ان کو یہ ساٹھ روپے دے کر کہا کہ میری طرف سے لڑکی کے لئے کوئی چیز بنا لیں۔ لیکن وہ مُصر تھیں کہ کسی چیز کی ضرورت نہیں اور نہ میں یہ رقم لیتی ہوں۔ اسلم کے ابا جان

ناراض ہوں گے۔ بالآخر انہوں نے تیس روپے لئے اور رخصتانہ کے بعد وہ بھی واپس کر دئے اور بتایا کہ یہ ایک خواب کے پورا کرنے کی خاطر لئے تھے کیونکہ میری بڑی لڑکی امتہ المجید نے خواب میں دیکھا کہ کسی ایسے لڑکے سے امتہ الحفیظ کی شادی ہو رہی ہے جس کا نام بشیر ہے اور وہ آپ کو تیس روپے دیتا ہے۔

بہر حال امتہ الحفیظ کی شادی کے ساتھ ان کی چھوٹی ہمشیرہ کی بھی شادی تھی۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ جب رخصتانہ کا وقت آیا تو رشتہ دار مہمان مستورات نے مطالبہ کیا کہ ہمیں لڑکوں کی بَری دکھائی جائے۔ میں تو خالی ہاتھ گیا تھا۔ صرف قمیص اور شلوار میں۔ سویٹر تک نہیں تھا حالانکہ اس دن شدید سردی تھی۔ میری خوشدامن صاحبہ نے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اس موقع پر عورتوں کے تبصروں سے بچنے کے لئے اور لڑکی کی دل شکنی اور بددلی کے خوف سے بڑی جرأت سے یہ کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ان کی چیز ہے گھر جا کر دیکھ لیں گے۔ بہر حال وقت ٹل گیا۔ اکثر رشتہ دار خواتین کو صورت حال کا علم تھا اور نہ جانے امتہ الحفیظ (مرحومہ) نے کیا کیا دکھ دہ باتیں سنی بھی ہونگی۔ لیکن جب لڑکیاں مکلاوہ پر آئیں تو چھوٹی بہن کے پاس اپنے سسرال والوں کی طرف سے ہر چیز تھی۔ اب صورت حال ظاہر تھی کہ بڑی بہن سے کیا سلوک ہوا۔ اور اس صورت حال سے کوئی بھی مطمئن نہیں تھا سوائے میرے سسرال والوں کے۔ اس موقعہ پر بعض رشتہ دار عورتوں اور سہیلیوں نے میری بیوی مرحومہ کو چڑانے کے لئے، بددل کرنے کے لئے، دل میں حسرت پیدا کرنے کے لئے یہ کہنا شروع کیا کہ تجھ پر زیادتی ہوئی ہے۔ تجھے مفت میں دے دیا گیا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ایک خوش شکل، صحت منداور حسین سیرت لڑکی کو ایک بے سہارا، بے گھر، بے در، بے زر اور غیر برادری کے سپرد کرنا بظاہر زیادتی تھی۔ لیکن اس کے والدین نے دعاؤں اور رضائے الٰہی کی خاطر ایک بے سہارا کو سہارا دینے کے لئے ایسا کیا تھا اور وہ پُر اعتماد تھے کہ خدا تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے گا۔ انہوں نے نہ جانے کتنے ناقابل برداشت تبصرے سنے ہوں گے۔ بہر حال اس موقعہ

پر جو میری بیوی نے سادگی سے جواب دیا وہ بہت ہی پیارا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ انہوں نے بڑی خوشی اور پورے اعتماد سے ہنستے ہوئے کہا سنو! میں بڑے سکون اور مزے کی نیند سوتی ہوں۔ مجھے نہ کسی ڈاکو کا خطرہ ہے نہ چور کا خوف، نہ جان کا اندیشہ۔ ذرا اس کو بھی تو پوچھو کہ اس کا کیا حال ہے۔ ہر وقت دھڑ کا رہتا ہے۔ ٹوٹ نہ جائے، گم نہ ہو جائے، کسی چور کی نظر نہ پڑ جائے۔ ہاں یہ فائدہ ہوسکتا ہے کہ بوقت ضرورت گھر والے اس سے واپس لے کر اپنی کسی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں اور یہ بھی اس کے لئے ایک حسرت ہوگی۔ اس وقت کہے گی بہتر تھا کہ نہ دیتے۔ میری فکر نہ کرو اس کا خیال رکھو، اس کو تسلی دو۔ میری اہلیہ مرحومہ کی پرائمری تک تعلیم تھی لیکن سوچ اچھی تھی اور اس نے یہی روح اپنی بیٹیوں میں بھی پیدا کی۔ انہوں نے بھی اپنی ماں کی روح کو قائم رکھا اور میرے لئے بہت ہی سکون کا باعث ہوئیں۔ شادیوں میں نہ بیٹیوں نے کسی مطالبہ اور خواہش کا اظہار کیا اور نہ ہی ماں نے اپنی بیٹیوں کی خاطر مجھ سے مطالبہ کیا اور نہ اس خوشی کے موقعہ کو کسی بدمزگی میں بدلا کیونکہ اکثر ناواجب مطالبات کی وجہ سے ایسے خوشی کے مواقع غم وحسرت اور لڑائی کا موجب بن جاتے ہیں۔

شادی سے چند دن بعد کی بات ہے دوران گفتگو ''تو'' یا ''تم'' کہہ کہ مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ میں نے کہا کہ یہ انداز گفتگو مہذبانہ نہیں اور نہ ہی مجھے پسند ہے۔ آپ اردو میں بات کریں یا پنجابی میں، مؤدبانہ الفاظ استعمال کریں۔ اردو اور پنجابی زبان میں یہ خوبی ہے کہ حسب مراتب خطاب کے لئے الفاظ کی گنجائش ہے۔ چنانچہ پھر 35 سالہ لمبے زمانہ میں کبھی ایک بار بھی ایسا موقعہ پیدا نہیں ہوا کہ انہوں نے گفتگو میں بے تکلفی اور بے توجہگی میں غیر مہذبانہ یا غیر مؤدبانہ الفاظ استعمال کئے ہوں۔ کبھی بے تکلف ہو کر گفتگو کی بھی نہیں جو کہ میاں بیوی کا اپنا ایک ماحول ہوتا ہے۔ شاید اس لئے کہ بے تکلفی اور برابری کے ماحول میں بے ادبی ہوسکتی ہے اس لئے احتیاط کی۔ یوں عام عورتوں کی طرح لڑائیوں جھگڑوں کے قصے اور گلہ غیبت کی عادت بھی نہ تھی اس لئے کوئی موضوع گفتگو بھی نہ ہوتا تھا۔ اکثر عورتوں کے یہی تو موضوع ہوتے ہیں۔ کھانے پینے، رہائش، لباس کے جھگڑے اور

مطالبات۔ لیکن وہ اس سے بہت بالا تھیں۔ لباس ہمیشہ سادہ اور صاف ستھرا استعمال کیا لیکن اپنی غربت کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

ان دنوں مجھے گزارہ ایک طالبعلم کا ملتا تھا جو کہ چالیس روپے ماہوار تھا۔ اور اب ہم چار تھے۔ ہم دونوں میاں بیوی، دو یتیم بچے (حمیدہ بیگم ہمشیرہ اور محمد شریف اختر، رشتہ میں بھانجا)۔ چنانچہ دکانداروں کے ہاں ہمارے کھاتے کھلے ہوئے تھے۔ سارا ماہ ہر قسم کے سودے ادھار چلتے حتی کہ سبزی تک۔ اور مہینہ کے آخر میں جب وظیفہ یا الاؤنس ملتا کچھ ادا کرتے باقی آئندہ۔ اس وقت احمدی دکانداروں کی بھی بڑی قربانی اور تعاون تھا۔ خواہ ربوہ میں آباد تھے یا احمد نگر۔ پھر بڑی بشاشت سے اور ادب سے پیش آتے اور یہ معاملہ میرا ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے انجمن کے کارکنان اور افسران تک کا بھی یہی حال تھا۔ احمد نگر میں میاں علی محمد صاحب ایسے ہی ایک دکاندار تھے۔ یہ بزرگ حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ (جو حضرت مولوی نذیر احمد صاحب علی کے والد ماجد تھے) کے رشتہ دار تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

شادی کے چند دن بعد میری بیوی نے مجھے مشورہ دیا کہ دکان سے سودا ادھار لینا بند کر دیا جائے کیونکہ اس طرح بعض دفعہ غیر ضروری چیز بھی لے لیتے ہیں جس کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے اور آرام سے دکاندار کو کہتے ہیں کہ لکھ لینا۔ پھر بعض دفعہ دکاندار پر بھی بدظنی اور شکوہ کرنے کا موقع پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ چیز زائد لکھی گئی ہے یا میں نے یہ نقد لی تھی۔ پس ان قباحتوں سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ نقد سودا لیا کریں۔ اس طرح ہم بہت حد تک اخراجات کو کم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس پر عمل کیا گیا اور ساری عمر اس کی پابندی کی اور بہت فائدہ اٹھایا۔ فجزاھا اللہ احسن الجزاء۔

میرا یہ دستور رہا کہ جو الاؤنس یا وظیفہ واجبات وضع کرنے کے بعد ملتا ان کو دے دیتا اور کبھی کوئی چیز ان سے چھپائی نہیں اور ان کو بھی یقین ہوتا تھا کہ یہ اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتے۔ بازاروں اور ہوٹلوں سے کھانے پینے کی عادت نہیں کہ کچھ اپنے پاس رکھ لوں۔ اس

لئے وہ فکر سے اس میں سے بچانے کی کوشش کرتیں۔ اگر مجھے کوئی ضرورت پڑتی تو وہ مجھے مطلوبہ رقم مہیا کر دیتیں۔ میں ان کے اعتماد کو قائم رکھنے کے لئے بچت واپس کرتا اور حساب دیتا جس کو وہ پسند نہ کرتی تھیں۔ یہ میرا اب بھی دستور ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ آج تک میں کسی دکاندار کا مقروض نہیں ہوں۔

شادی کے چند دن بعد کی بات ہے۔ ایک دن میں عشاء کی نماز پڑھ کر آیا تو کیا دیکھتا ہوں۔ میری چھوٹی اور اکلوتی بہن حمیدہ بیگم جو سات آٹھ سال کی تھی فرش پر بیٹھی رو رہی ہے اور یہ چارپائی پر بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں۔ دونوں کو باری باری پوچھ رہا ہوں کہ کیا بات ہے؟ کوئی بھی نہیں بتا رہی۔ آخر میں نے ان کے کندھے پر تھپڑ مارا کہ کیا بات ہے، یہ تو چھوٹی ہے آپ کیوں نہیں بولتیں؟ اس پر میری بہن دوڑتی ہوئی آئی اور اپنی بھاوجہ سے لپٹ گئی اور کہہ رہی تھی میری بھابھی کو نہ مارنا۔ میں نے پھر پوچھا کہ بتاؤ آخر آپ دونوں کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگیں حمیدہ بات نہیں کرتی اور روئے جا رہی ہے۔ میں نے اس کو کچھ بھی نہیں کہا۔ میں پوچھ پوچھ کر تھک گئی ہوں کہ کیا بات ہے، یہ بتاتی ہی نہیں۔ اور یہی وجہ میرے رونے کی ہے۔ یہ نند بھابھی دونوں ساری زندگی بہت پیار سے رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی خاکسار اس وقت جزائر فجی میں تھا۔ مجھے میری بہن نے لکھا کہ آج میری ماں فوت ہو گئی ہے۔ اب کون میرا استقبال کرے گا۔ کون مجھے گلے لگا کر ماں کا پیار دیا کرے گا۔ کیونکہ یہ بہت چھوٹی تھی جب ہماری والدہ فوت ہو گئی تھیں۔ والد صاحب کا تو اس کو ہوش ہی نہیں۔ یہ سال ڈیڑھ کی تھی جب والد صاحب فوت ہو گئے تھے اور والدہ کی وفات کے وقت یہ چار پانچ سال کی تھی۔

شادی کے بعد موسم گرما کی جامعہ میں چھٹیاں تھیں۔ ہم نے قادیان کی زیارت کا پروگرام بنایا۔ ان کے بڑے بھائی احمد حسین صاحب بٹ درویش تھے اس لئے نظارت درویشان کے تحت ہمارا پاسپورٹ اور ویزا بن گیا۔ ہم لاہور ہندوستانی کرنسی کے لئے پہنچے۔ مولوی نذیر احمد صاحب آف راجوری کے ہاں جو دھامل بلڈنگ میں ٹھہرے۔ اسی دوران بارشیں شروع ہو گئیں اور ان کو پیچش کی تکلیف ہو گئی۔ چھ سات ماہ کا حمل تھا۔ ہمیں مشورہ دیا

گیا کہ اس حال میں سفر نہ کریں لیکن یہ بڑے اعتماد سے مصر تھیں کہ ضرور جائیں گے، انشاء اللہ۔
بہرحال ہم نے سفر شروع کیا۔ الحمد للہ کہ راستے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی لیکن قادیان پہنچنے پر پھر تکلیف شروع ہوگئی۔ منارۃ المسیح کے مؤذن محترم میاں سراج دین صاحب (والد ماجد مکرم مولانا عطاء اللہ صاحب کلیم) نے بھائی جان کو بتایا کہ اسبغول ثابت کی کھیر دودھ میں پکا کر کھلائیں اور ساتھ یہ تاکید کی کہ منارہ پر چڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ **الحمد للہ** کہ تکلیف تو رفع ہوگئی لیکن دوسرے مشورہ پر عمل نہ ہو سکا۔ دو دفعہ بھائی جان کی عدم موجودگی میں چوری چوری منارۃ المسیح کی آخری منزل تک جا کر وہاں بیٹھ کر لمبی دعائیں کرنے کا موقع ملا۔ ان دنوں قادیان میں زائرین بہت کم تھے اس لئے بیتُ الدعا اور مسجد مبارک میں نوافل اور بہشتی مقبرہ میں دعاؤں کی توفیق ملی۔ **الحمد للہ**۔ یہ دو ہفتہ کا قیام تھا۔ ان دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے سنا اور ہمیں پہلے بیٹے سے نوازا جس کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نصیر احمد رکھا۔ **الحمد للہ الذی انعم علینا**۔

واہگہ باڈر پر ایک سکھ ایمیگریشن افسر نے ہمارا پاسپورٹ دیکھ کر بتایا کہ ہم جب پاسپورٹ دیکھتے ہیں تو ناموں سے جان لیتے ہیں کہ یہ احمدی ہیں کیونکہ احمدی مردوں اور عورتوں کے نام بامعنی اور خاص طرز کے ہیں مثلاً عورتوں کے امۃ اللہ، امۃ الرحمان، امۃ الحفیظ وغیرہ خدائی صفات کے ساتھ نام ہوتے ہیں اور ایسے ہی مردوں کے بھی۔

نام تو رکھے ہی شناخت کے لئے جاتے ہیں۔ ہر قوم، قبیلہ کے الگ الگ نام ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے نام خواہ وہ کسی بھی ملک و نسلی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں ناموں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ وہ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام کے ناموں یا صفات الٰہی کی نسبت سے رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر عورتوں کے ناموں کا ذکر آیا ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے تا یہ بھی اپنے اندر ان صفات و اخلاق کو پیدا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے سات بچے عطا فرمائے۔ چار لڑکیاں اور تین لڑکے۔ بڑا بیٹا عزیزم نصیر احمد صاحب قمر واقف زندگی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے۔ آج کل ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن کے ایڈیٹر اور

ایڈیشنل وکیل الاشاعت لندن کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دوسرا بیٹا عزیزم ناصر احمد قمر، حافظ قرآن ہے اور جرمنی میں ہے۔ تیسرا بیٹا عزیزم مظفر احمد قمر، صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں کارکن ہے اور مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی عاملہ میں مہتمم ہے۔

جب بچے سکول جاتے دوسرے بچوں کے پاس پیسے دیکھتے، ان کو چیزیں خریدتے دیکھتے تو یہ بھی ماں سے مطالبہ کرتے۔ لیکن اُن کے اصرار کے باوجود کبھی بھی ان کو پیسے نہ دیتیں سوائے سکول کی فیس کے۔ اور ان کو کہتیں کہ ضرورت ہے تو مجھے بتاؤ جیسے بھی ہو پوری کرنے کی کوشش کروں گی۔ جیب ویب کا خرچ میں نہیں جانتی۔ کھانا گھر سے کھا کر جاؤ اور گھر آ کر کھاؤ، تمہارے چٹخاروں کے لئے میرے پاس کوئی پیسے نہیں۔ البتہ ان کے چندہ جات مجالس اور تحریکِ جدید اور وقفِ جدید وغیرہ حسب توفیق ادا کرتیں۔ اس طرح ان کے پیسے میں برکت ہو جاتی۔ اگرچہ یہ اچھی بات ہے کہ بچوں کو پیسے نہ دیئے جائیں لیکن اس کا ایک نقصان ہوتا ہے کہ بعض ایسے بچوں کو پیسے خرچ کرنے نہیں آتے۔ اگر ممکن ہو تو ان کے ذریعے پیسے خرچ کروانے چاہئیں خواہ گھر کے سودے ہی ہوں۔ اس طرح ان میں خرید و فروخت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

گھر کا سودا سلف خود خریدتیں۔ سبزی وغیرہ موسمی پھل عموماً عصر کے بعد خود خریدتیں، خصوصاً ریڑھی والوں سے، کہ اس وقت سستی مل جاتی ہے۔ بعض دفعہ اگلے دن کے لئے بھی خریدتیں۔ کئی دکانوں سے بھاؤ دریافت کرتیں۔ اگر کوئی بچہ ساتھ ہوتا تو ماں کو کوستا لیکن وہ اس کی پرواہ نہ کرتیں اور اس طرح وہ اکثر سستا اور اچھا سودا خریدنے میں کامیاب ہو جاتیں اور بچوں کو کہتیں کہ میں ان کا نقصان نہیں کر رہی، یہ نفع کما کر ہی بیچنے پر رضامند ہوتے ہیں، بلکہ آپ کو نقصان سے بچانے کے لئے ایسا کرتی ہوں۔

مجھے جب کسی بچے کو سزا دینی پڑتی تھی تو انہوں نے کبھی اس بچے کی حمایت نہیں کی۔ ایک دفعہ عزیزم نصیر احمد قمر کو میں نے بہت مارا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ڈیرہ غازی خان کا ایک آنکھوں سے معذور شخص بخشی نام کا گوجرہ چلا گیا۔ گرمی کا موسم تھا مسجد کے صحن میں کنواں تھا بچے وہاں نہا رہے تھے۔ انہوں نے اس پر پانی گرانا شروع کر دیا۔ وہ اور کسی بچے کو تو جانتا

نہ تھا اس نے میرے پاس کوارٹر میں جا کر شکایت کی کہ نصیر احمد آپ کے لڑکے نے میرے کپڑے گیلے کر دیئے ہیں۔ میں نے نصیر کو پکڑا اور اس کو مارنا شروع کر دیا حتی کہ وہ گر گیا۔ اس کی والدہ کوارٹر میں کھڑی یہ نظارہ دیکھتی رہی۔ مجھے بھی اس کا بہت دکھ ہوا اور قلبی تکلیف بھی ہوئی۔ جب واپس کوارٹر میں گیا تو انہوں نے صرف اتنا کہا کہ آپ تو اس کو جان ہی سے مار دینے لگے تھے۔ لیکن بچے کو گود میں لے کر پیار تک نہ کیا تا اس کی بیجا ہمدردی اور حوصلہ افزائی نہ ہو اور والد کے خلاف اس کی حمایت نہ ہو۔ یہ ان کی بہت بڑی خوبی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کی ان کو بہترین جزا دے۔ ان کی اولاد کو اعمالِ صالحہ بجالانے کی توفیق بخشے تا وہ ان کے لئے صدقہ جاریہ کا موجب ہوں۔ بعض مائیں ایسی ہوتی ہیں کہ بچوں کی بیجا حمایت کر کے جہاں ان کی بگاڑ کا موجب ہوتی ہیں وہاں باہم میاں بیوی کے تعلقات بھی خراب ہو جاتے ہیں اور بچے گھر میں سکون محسوس نہیں کرتے۔

مجھے انہوں نے چار مرتبہ بیرونی ممالک میں وکالت تبشیر کے پروگرام کے مطابق رخصت کیا۔ روانگی کے وقت کبھی روتے نہیں دیکھا۔ بعد میں جدائی کا اظہار آنسو بہا کر کرتی رہیں۔ ایک دفعہ غانا مغربی افریقہ میں خشک سالی اور قحط کا زمانہ تھا۔ اشیائے خوردنی نایاب یا بہت مہنگی اور مشکل سے ملتی تھیں۔ پاکستان سے غانا کے لئے اکثر مربیان، اساتذہ اور ڈاکٹرز آتے جاتے رہتے تھے۔ کئی دفعہ انہوں نے مجھے چائے کی پتی اور مِلک پاؤڈر تک بھیجا۔ لیکن مجھ سے کبھی کسی چیز کی خواہش کی، نہ مطالبہ۔ جب واپس آتا تو میرا وہی پرانا بکس اور پارچات ہوتے۔ انہوں نے کبھی میرا سامان کھول کر تلاشی نہیں لی کہ کیا لائے ہیں، یا کیوں نہیں لائے ہیں۔ بعض عورتیں ملنے کے لئے آتیں اور بڑے جستجو کے انداز میں ادھر ادھر دیکھتیں اور پھر دریافت کرتیں کہ کیا لائے ہیں؟ اور بعض لوگوں کا حوالہ دیتیں کہ فلاں یہ لایا، فلاں وہ لایا۔ لیکن ان کا ہمیشہ یہ جواب ہوتا کہ یہ کوئی دنیا کمانے گئے تھے۔ الحمدللہ خیریت سے واپس آ گئے ہیں، بس یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور یہی حال بچوں کا تھا۔ انہوں نے بھی کسی چیز کا مطالبہ کیا، نہ خواہش۔ اور یہ چیز میرے لئے بہت سکون کا باعث ہوئی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مولوی محمد اقبال صاحب غضنفر (مرحوم) مربی سلسلہ میرے کلاس فیلو ہیں۔ وہ غانا تشریف لے گئے اور میری جگہ ٹچمان برآ نگ آہافو ریجن میں ان کی تقرری ہوئی۔ جب میں واپس آنے لگا تو انہوں نے اپنی بیگم صاحبہ کے لئے ایک سوٹ کا کپڑا دیا کہ یہ لے جانا۔ میں نے بڑی سنجیدگی سے انکار کر دیا کہ میں ہرگز نہیں لے کر جاؤں گا۔ کہنے لگے کہ کیوں؟ اس کا کوئی وزن نہیں اور تمہارے پاس بھی کوئی زائد چیز نہیں، آخر کیوں نہیں لے کر جاؤ گے۔ میں نے کہا کہ میرے گھر لڑائی ہو جائے گی۔ کہنے لگے "کیوں لڑائی ہو گی؟"۔ میں نے کہا کہ میری بیوی کہے گی کہ آپ نے تین سال میں مجھے کچھ نہیں بھیجا جب کہ مولوی صاحب نے جاتے ہی اپنی بیوی کے لئے تحفہ بھیج دیا ہے، اس لئے میں نہیں لے جا سکتا۔ اس پر وہ بہت ہنسے۔ بہر حال میں ان کا وہ سوٹ لے آیا۔

میں غانا میں تھا۔ کافی عرصہ ہوا کہ گھر سے کوئی خط نہیں آیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ان کے ساتھ کسی سٹور پر گیا ہوں اور دکاندار مجھے کہتا ہے کہ تمہاری بیوی نے پردہ نہیں کیا ہوا۔ میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے پاؤں کو پکڑے بیٹھی ہوئی ہیں اور میں نے دیکھا کہ ان کے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان سے اور غالباً ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان سے بھی خون نکل رہا ہے اور وہ درد سے رو رہی ہیں۔ خواب سے بیداری پر بہت تشویش ہوئی۔ میں نے ان کے بھائی محمد افضل بٹ صاحب (کارکن صدر انجمن احمدیہ) کو یہ خواب لکھ کر لکھا کہ ان کی خیریت کی اطلاع دیں۔ انہوں نے جواباً لکھا کہ آپ کا خواب سچا ہے۔ ان کو کافی عرصہ سے یہ تکلیف ہے۔ ہاتھ پاؤں پک جاتے ہیں۔ دیسی، یونانی اور انگریزی علاج کرائے ہیں مگر آرام نہیں آ رہا اس لئے وہ خط نہیں لکھ سکیں اور نہ ہی کسی اور کو لکھنے دیا کہ آپ پریشان ہوں گے۔

ایک دفعہ میرا چھوٹا بیٹا عزیزم مظفر احمد قمر ٹائیفائڈ بخار کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ ہسپتال میں زنانہ وارڈ میں اجازت لے کر داخل کرایا گیا کیونکہ مردانہ وارڈ میں کوئی مرد اس کے پاس رہنے والا نہ تھا۔ یہ بھی ابھی طفل تھا۔ بہر حال دن رات اس کے پاس رہنے اور جاگنے کی وجہ سے خود بھی بیمار ہو گئیں۔ ایسے ہی کسی بچے پر دودھ گر جانے کی وجہ سے ہاتھ جل گیا

جس کی وجہ سے کافی پریشان رہیں۔ صحت ہونے پر لکھا کہ میں اس وجہ سے آپ کو خط نہ لکھ سکی کہ آپ پردیس میں پریشان ہوں گے اور آپ کے کام پر اثر پڑے گا۔

دیہات میں جماعتوں میں آسانی سے اور زیادہ تربیتی دوروں کے لئے مجھے سائیکل کی ضرورت تھی لیکن خریدنا مشکل تھا۔ انہوں نے اپنے کانٹے جو شادی کے موقع پر والدین نے انہیں تحفہ دیئے تھے فروخت کر کے مجھے سائیکل خریدنے کے لئے رقم دی اور پھر اپنے اخراجات سے پیسے بچا کر کچھ عرصہ کے بعد کانٹے بنائے۔

میں نے ایک کتاب حقیقة الصلوة حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کی تحریرات اور ملفوظات پر مشتمل تالیف کی۔ ایک دوست نے اپنے نام سے اس کو شائع کروایا۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی فروخت سے رقم وصول کر لیں گے لیکن ان کو کسی مجبوری کی وجہ سے رقم کی ضرورت پڑ گئی۔ انہوں نے مجھ سے رقم کا مطالبہ کیا۔ میرے پاس رقم نہ تھی۔ کسی کے سامنے اس ضرورت کو رکھنے کی ہمت نہ تھی۔ مجھے فکر مند اور پریشان دیکھ کر پوچھا کہ کیا بات ہے۔ جب ان کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا کہ قرض کی ادائیگی کا مسئلہ ہے تو انہوں نے مطلوبہ رقم گھر سے نکال کر دی کہ اس بھائی کو ادا کر دیں اور آپ فکر نہ کریں اور پریشان نہ ہوں۔

میرا ایک پلاٹ 5/12 محلّہ دارالنصر غربی میں تھا جو میں نے 1975ء میں حاصل کیا تھا۔ حضرت خلیفة المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جن کے پاس خالی پلاٹ ہیں ان پر قبضہ کرنے کی ہدایت فرمائی تھی کیونکہ مخالفوں کا منصوبہ تھا کہ خالی پلاٹوں پر قبضہ کر کے جماعت کے لئے پریشانی پیدا کریں۔ خاکسار نے قرضہ تعمیر لے کر چار دیواری اور دو کمرے تعمیر کر کے پلاٹ پر قبضہ کر لیا لیکن ابھی رہائش کے قابل نہ تھا کہ ایک دن نظامتِ جائیداد صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے یہ نوٹس ملا کہ چونکہ آپ نے قرضہ تعمیر لیا ہوا ہے لہٰذا آپ ایک ماہ تک کوارٹر خالی کر دیں۔ اور بھی بہت سے کارکنوں کو ویسے نوٹس جاری کیے گئے تھے جن میں سے بعض کے پاس مکمل مکان بھی تھے۔ میں نے اہلیہ محترمہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا صلاح ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ وہاں رہائش کے لئے جگہ ناکافی ہے۔ ان دو کمروں میں

سامان بھی نہیں آسکے گا۔ اپنے سامان کے علاوہ نصیر احمد قمر کا سامان بھی ہے کیونکہ ان کی فیملی لندن جا چکی تھی اور ان کا کوارٹر بھی خالی کرنا پڑا تھا اور ان کا سامان بھی ہمارے پاس پڑا تھا۔ ابھی اس مکان میں غسل خانہ، لیٹرین، باورچی خانہ جیسی ضروری چیزیں بھی نہ تھیں۔ اس پر انہوں نے دوسروں سے سن سنا کر کہا کہ اور لوگوں کو بھی نوٹس ملے ہیں، ان کا رویہ دیکھ لیں کیا کرتے ہیں، دوسرے آرڈرز ہوتے رہتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ ہم نے دوسروں کو نہیں دیکھنا اور نہ ہی کوئی محاذ بنانا ہے۔ ممکن ہے بعض کی کوئی جائز مجبوریاں ہوں یا بعض وجوہ کی بنا پر وہ کوارٹر کے حقدار بھی سمجھے جائیں۔ ہمیں اپنے حالات کے لحاظ سے سوچنا ہے۔ میرا تو یہ ارادہ ہے کہ ہمیں نوٹس کے مطابق وقت کے اندر اندر کوارٹر خالی کر دینا چاہیے۔ نظامتِ جائیداد نے جو نوٹس جاری کیا ہے یہ کوئی انتقامی کارروائی نہیں اور نہ ہی تنگ کرنے کے لئے ہے۔ یہ انتظامی مجبوریاں ہیں۔ اور بھی بہت سے کارکنان ضرورت مند ہیں جو ہم سے زیادہ مجبور ہو سکتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ ہمیں مرکز کی مجبوریوں کا خیال کر کے ان سے تعاون کرنا چاہیے۔ پھر ایسے آرڈر اور احکام کارکنان کے لئے بابرکت ہو سکتے ہیں اس طرح وہ اپنا مکان بنانے کی فکر کرتے ہیں جو ربوہ کی تعمیری ترقی کا باعث ہوگا اور یہ بات کارکنان کے لئے باعث عزت اور برکت ہوگی۔ میں نے کہا دیکھو خانہ بدوش لوگ بھی ہوتے ہیں۔ یہ دیکھیں افغان مہاجرین بھی تو رہتے ہیں۔ ان باتوں کو سننے کے بعد وہ مجھ سے متفق ہو گئیں کہ ٹھیک ہے، ہم چلتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کمیٹیاں ڈال ڈال کر کچھ رقم بچائی ہوئی تھی مجھے سات آٹھ ہزار روپے نکال کر دیئے کہ اینٹوں کا آرڈر دے دیں۔ باورچی خانہ، غسل خانہ اور جتنی نقشہ کے مطابق تعمیر ہو سکتی ہے شروع کروا دیں اور یہاں سے بیٹھ کر تعمیر مکمل ہونے کا انتظار نہ کریں۔ وہاں چلیں اور وہاں بیٹھ کر کام ہو سکے گا۔ چنانچہ ایک دن ہم نے سامان اُٹھایا اور اپنے نامکمل مکان میں آ بیٹھے اور کوارٹر خالی کر کے چابی ناظم صاحب جائیداد کے حوالے کر دی۔ الحمد للہ کہ ایک آرڈر کی تعمیل کی توفیق ملی اور اس کی وجہ سے دل میں ایک سکون تھا۔ اور اس سکون کا باعث میری بیوی اور بچے تھے۔ اگر یہ ضد کرتے تو مجھے یہ سعادت نہ ملتی کہ میں نے ایک فیصلے کی تعمیل کر دی۔

اب جب میں نے کوارٹر چھوڑ دیا تو جو بھی ملتا تعجب سے پوچھتا یہ کیا ہوا۔ کیا تم کو زبردستی نکالا ہے؟ کیوں چھوڑا ہے اور لوگوں کو بھی نوٹس ملے تھے۔ یہ مجھ سے باتیں ہوتی تھیں۔ اور عورتوں نے میری اہلیہ محترمہ سے کئی طرح کی ہمدردیاں کر کے دل شکستہ کرنے کی کوشش کی کہ تمہارا خاوند ایک عرصہ مغربی افریقہ رہا ہے اور اب دور دراز ملک فجی جا رہا ہے، تیرا بیٹا عرصہ سے حضور انور کے پاس لندن میں کام کرتا ہے، اب تم یہاں آ گئی ہو جہاں نہ گیس ہے اور کالج، سکول، ہسپتال، بازار وغیرہ دور پڑتا ہے۔ لڑکی کا روز آنا جانا، ٹانگہ کا خرچ، اخراجات میں اضافہ، جلد بازی میں کوارٹر خالی کر کے تم نے اپنی پریشانیوں کو بڑھا لیا ہے اور زائد مسائل پیدا کر لئے ہیں ان حالات اور مجبوریوں کے پیشِ نظر آپ اپنی درخواست پیش کرتے تو کس نے نکالنا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن اس خدا کی بندی کا ہر ایک کے لئے یہی جواب تھا کہ یہ نوٹس ہمارے لئے باعثِ برکت ہوگا، اس بہانے سے ہمارا مکان بن جائے گا، آخر انجمن کے کوارٹر میں کب تک رہنا تھا۔ یہ ان کا اظہار پورے اطمینان اور یقین سے ہوتا۔ مجھے نہیں یاد کہ انہوں نے میرا نام لیا ہو کہ یہ انہوں نے جلد بازی کی ہے۔ اس مکان میں آنے سے گیس کی سہولت کو محسوس کیا۔ لکڑی مہنگی تھی، باورچی خانہ بھی نہ تھا لیکن کبھی اس کا شکوہ نہ کیا۔ ان کی وفات کے بعد گیس بھی آ گئی۔ پہلے سال اپنے مکان میں کافی سبزیاں کاشت کیں اور بہت سے پڑوسیوں اور ربوہ میں رشتہ داروں کو بھجوایا کرتی تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارا مکان جتنا بھی ضرورت کے مطابق تعمیر ہوا سستے زمانے میں ہو گیا، دو تین سال کے اندر تعمیر کی ہر چیز کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی۔

ایک اور ابتلا۔ مکان میں ہم منتقل ہو چکے تھے، تعمیر ہو رہی تھی کہ وکالت تبشیر سے مجھے لندن میں ہونے والے صد سالہ جوبلی کے جلسہ میں شامل ہونے کی ہدایت ملی۔ تیاری ہو گئی۔ اگلے روز روانگی تھی۔ شام کو خاکسار دفتر تبشیر میں ٹکٹ اور پاسپورٹ لینے کے لئے حاضر ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ مکرم وکیل اعلیٰ صاحب نے لندن سے اطلاع دی ہے کہ آپ کی لندن روانگی کو روک دیا جائے اس لئے آپ لندن نہیں جا رہے۔ میں واپس گھر آ گیا۔ مجھ سے پوچھا کہ تیاری مکمل ہو گئی، ٹکٹ لے آئے۔ جب میں نے صورتحال سے آگاہ کیا تو

بڑے اطمینان سے کہا کہ اس میں بہتری ہوگی۔کوئی گلہ شکوہ نہیں۔ بظاہر یہ ایک تاریخی جلسہ تھا، میری ننھی ننھی پوتیاں لندن میں مجھے ملنے کے لئے تیاری کر رہی تھیں۔ یہ ان کے لئے بڑی جذباتی بات تھی اور مجھے بھی محسوس ہوا۔لیکن میری اہلیہ محترمہ نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور یہ کہہ کر مجھے بھی ٹھنڈا کر دیا کہ اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی۔لیکن دوسرے دن ربوہ جس دوست سے بھی ملتا وہ حیرانگی سے پوچھتا تم گئے نہیں؟ کیونکہ اکثر دوستوں، عزیز رشتہ داروں اور بزرگوں کو میری تیاری کا علم تھا۔ ہر ایک سے وضاحت کرنا ایک مسئلہ بن گیا۔اکثر لوگ کئی قسم کے شکوک کا شکار ہو گئے کہ کوئی بات ہے۔ پہلے کوارٹر سے نکالا گیا اب لندن کے تاریخی جلسے سے عین وقت پر روکنا، کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ یہ دن میرے لئے بہت مشکل تھے۔آخر میں نے ایک ماہ کی چھٹی لی اور گھر پر رہا۔لیکن میری بیوی نے نظام پر کوئی شکوہ نہ کیا۔ان کی اس خوبی کی وجہ سے میں نے بہت سکون پایا۔اگر وہ ان باتوں کو ہوا دینا چاہتیں، بچوں سے اس سلوک کو بتا کر بددلی پیدا کرتیں تو بچوں کے علاوہ دوسری عورتیں بھی ان کی تائید کرنا شروع کر دیتیں۔لیکن ایسا ہوا نہیں۔ الحمدللہ۔ مکرم وکیل التبشیر ، نوابزادہ منصور احمد خان صاحب نے بھی اس کو محسوس کیا۔آپ نے مجھے بلا کر پوچھا کہ چھٹی کیوں لی، ناراض ہو گئے ہیں؟ میں نے کہا: بالکل نہیں۔اور پھر مجھے تسلی دی کہ آپ سے کوئی ناراضگی والی بات نہیں، بعض انتظامی مجبوریاں ہیں آپ بے شک چھٹی گھر پر گزاریں اور مجھے تسلی دی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

کئی دفعہ دیکھا کہ ان کی خواہش کو یا ان کی بات کو اللہ تعالیٰ نے ناموافق و نامساعد حالات میں پورا فرما دیا۔اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت پیار سے شکر ادا کرتیں۔

1987ء میں جب آخری دفعہ غانا مغربی افریقہ سے واپس آیا اور دوسرے دن دفتر تبشیر میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ آپ کی تقرری حضور ایدہ اللہ کی طرف سے بحرالکاہل کے ایک ملک طوالو میں کر دی گئی ہے۔آپ دو تین ماہ کی چھٹیوں میں ضروری کام کاج سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں۔ میں نے گھر آ کر یہ خبر سنائی تو وہ خلاف معمول اداس ہو گئیں۔میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگیں میرے کچھ مسائل ہیں وہ حل کر کے

چلے جائیں، آپ کو روکنے کا تو مجھے کوئی حق نہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیا مسائل ہیں؟ کہنے لگیں یہ جوان لڑکیاں ہیں ان کے رشتے کر کے چلے جائیں، ان کی وجہ سے میں فکرمند ہوں۔ طوالو کا انٹری پرمٹ آ چکا تھا اور ان کے مسائل ابھی قابل حل تھے اور اس کے کوئی آثار بھی نہ تھے کہ یہ کام ہو جائے گا۔ اس سفر میں ایک قانونی روک پیدا ہو گئی۔ پاکستانی پاسپورٹ میں طوالو کا اندراج نہ تھا۔ میں نے مکرم وکیل التبشیر صاحب سے اس کا ذکر کیا کہ طوالو کا اندراج نہیں ہے کہیں کوئی مشکل پیدا نہ ہو جائے۔ آپ نے اس کے لئے کارروائی شروع کروادی کہ طوالو کا اندراج ہو جائے لیکن یہ ممکن نہ ہوا حتی کہ اڑھائی سال گزر گئے۔ اسی دوران بڑی بیٹی امۃ النصیر کا رشتہ ایک طالب علم عزیزم راجہ محمود احمد صاحب سے طے ہو کر شادی ہو گئی۔ دوسری دو بیٹیاں بھی جوان تھیں۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک ہی دن دو رجسٹرڈ خط ملے اور ان میں دوسری دونوں لڑکیوں کے رشتہ کی خواہش کی گئی تھی۔ دونوں لڑکے اپنے رشتہ دار تھے۔ ایک بھانجا جو کہ طالبعلم تھا اور ان کی یہ شرط تھی کہ تعلیم سے فراغت کے بعد ملازمت ملنے پر رخصتانہ کریں گے اور دوسرا رشتے میں بھتیجا تھا۔ وہ ایک معمولی ملازمت کرتا تھا۔ امۃ الحفیظ نے بلا تردد اور بلا توقف مجھے یہ مشورہ دیا کہ منظوری کا خط لکھ دیں۔ چنانچہ ان کو رضامندی کی اطلاع دے دی۔

کچھ دنوں کے بعد چھوٹی لڑکی امۃ الکریم کے رخصتانہ کا مطالبہ ہوا جبکہ بڑی لڑکی کے متعلق لڑکے والوں کو لمبا وقت چاہئے تھا۔ وہ پڑھائی مکمل کر کے ملازم ہونے کی شرط تھی۔ اس مطالبے پر کسی کو شرح صدر نہ تھا کہ بڑی کی موجودگی میں چھوٹی کو رخصت کر دیں۔ امۃ الحفیظ نے مشورہ دیا کہ ہر ایک کی مجبوریاں ہیں آپ ان کو لکھ دیں کہ آپ رخصتانہ کی تیاری کریں۔ بہر حال نہایت سادگی سے اس کا رخصتانہ ہو گیا اور کچھ عرصہ کے بعد لڑکے حافظ ناصر احمد قمر کی بھی شادی ہو گئی جو پروگرام میں نہ تھا۔ ناصر احمد کی شادی پر ابھی دو ماہ کا وقت گزرا تھا کہ ایک دن ٹیلیفون کے ذریعہ راولپنڈی سے بڑی لڑکی امۃ المومن کے متعلق لڑکے کے والدین کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ ہم بھی رخصتانہ کے خواہشمند ہیں۔ حالانکہ ان کی شرط تھی کہ لڑکا تعلیم سے فارغ ہو کر برسر روزگار ہونے پر رخصتانہ کریں گے اور

ابھی ناصر احمد کی شادی پر دو ماہ گزرے تھے۔ ادھر لڑکے کے والد صاحب بیرون ملک تھے۔ اس کے چچا اور تایا نے یہ فیصلہ کر کے اطلاع دی جو بالکل غیر متوقع تھی۔ اگر رخصتانہ کرنا تھا تو چند ہفتے پہلے کر لیتے تا دونوں بہن بھائی کا اکٹھا ایک ہی روز شادی اور رخصتانہ ہو جاتا اس طرح خرچ بچ سکتا تھا۔ کئی عزیزوں رشتہ داروں نے اس پر تبصرے شروع کر دئے لیکن میری اہلیہ محترمہ نے بغیر کسی تذبذب اور ناراضگی کے کہا کہ یہ ان کی اپنی مجبوریاں ہوں گی، اس بحث کو چھوڑیں۔ آپ ان کو اطلاع دے دیں کہ ہم لڑکی کو رخصت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ رشتہ بھی اتنی جلدی ہوا کہ لڑکے کے والد صاحب شادی میں شریک نہ ہو سکے حالانکہ یہ ان کے پہلوٹھے بیٹے کی شادی تھی اور اس جلد بازی پر ان کے خاندان میں بدمزگی بھی پیدا ہوئی۔ بہر حال رخصتانہ ہو گیا اور اس طرح امتہ الحفیظ کے مسائل حل ہو گئے بلکہ اس کے ساتھ ایک بیٹے ناصر احمد قمر کی شادی بھی ہو گئی۔ ان شادیوں کے موقعہ پر نہ بچیوں نے کسی خواہش کا اظہار کیا اور نہ ہی لڑکے والوں نے کوئی مطالبہ کیا۔

اسی دوران حضور انور ایدہ اللہ کی طرف سے طوالو کی بجائے میری تقرری جزائر فجی میں کر دی گئی۔ آخری شادی کے دو تین ماہ بعد خاکسار فجی چلا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے امتہ الحفیظ کی اس بات کو پورا کرنے کے غیب سے سامان فرما دئے کہ میرے مسائل حل کر کے چلے جائیں۔ اور میرے جانے کے چھ ماہ بعد وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ انّا للّٰہ وَانّا الیہ راجعون ۔ وہ اپنے مسائل اتنی جلدی سے طے کروا رہی تھیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ علم الٰہی میں ان کی واپسی قریب آ رہی تھی اور وہ میری ذمہ داریوں کو اپنی زندگی میں ہلکا کرنا چاہتی تھیں۔

بڑے لڑکے نے جب اچھے نمبروں پر میٹرک پاس کیا تو بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں نے مشورہ دیا کہ اس کو اعلیٰ تعلیم کے لئے کالج میں داخلہ لے کر دیا جائے۔ کوئی اچھی سی لائن اختیار کی جائے تا چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے سہارا بن جائے لیکن بیٹے کا ارادہ وقف زندگی کرنے کا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں اس کے ارادہ کے ساتھ دعا اور مشورہ کے لئے لکھا تو حضور نے فرمایا کہ اگر وقف ہے تو جامعہ میں

جائے ہمیں ذہین بچوں کی بھی ضرورت ہے۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئیں۔ جامعہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر وہ جامعہ احمدیہ ربوہ میں استاد مقرر ہوئے پھر لندن چلے گئے لیکن کبھی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا کہ وہ ان کی مالی مدد کرے یا کچھ دے بلکہ ہمیشہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ بنوا کر بھجواتی رہیں اور کہتیں کہ میرے لئے یہی کافی ہے کہ خدمت دین کے لئے قبول کیا گیا ہے۔

عزیزم نصیر احمد قمر کی وقف زندگی میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ جن تنگی کے حالات میں انہوں نے گزارہ کیا اگر وہ ہر وقت اس کا رونا روتی اور گلہ شکوہ کرتی رہتیں تو بچہ شاید کبھی بھی وقف زندگی کی طرف توجہ نہ کرتا خصوصاً جبکہ بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں نے اپنے خیال میں از راہ ہمدردی یہ تحریک کی تھی کہ ہم مدد کریں گے اس کو ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ بنائیں جامعہ میں جانا ہی خدمت دین نہیں، چندے دینا اور مالی مدد کرنا بھی خدمت دین ہے۔ اس کے باوجود زندگی وقف کرنا اور جامعہ جانے کے لئے تیار ہونا اس میں اس کی والدہ کی پُرسکون اور مطمئن اور شکر گزار زندگی کا بھی حصہ ہے۔

ان کی زندگی میں دو بیٹوں کی شادی ہوئی۔ ایک بہو کے ساتھ چھ سات ماہ تک رہیں۔ ایک میری بھتیجی تھی اور ایک اُن کی۔ ان کے ایک بھائی مکرم احمد حسین صاحب کو درویش قادیان ہونے کی عزت حاصل ہے ان کی بیٹی ہیں۔ دونوں کو دونوں خاندانوں سے خوب تعارف کروایا یعنی میری بھتیجی کو اپنے خاندان سے اور اپنی بھتیجی کو میرے خاندان سے۔ دونوں سے بہت پیار کیا۔ اب وہ ان کے پیار کو یاد کر کے روتی ہیں۔

ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اگر کوئی جماعتی یا انتظامی فیصلہ ہو جو بظاہر ان کے مفاد میں نہیں ہے تو اس کے خلاف کوئی بات نہ تو کرتی تھیں اور نہ کسی کی ہاں میں ہاں ملا کر اس کی تائید کرتی تھیں۔ ایسے ہی معاملات میں سے ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔

1974ء میں خاکسار سرگودھا کا مربی ضلع تھا۔ اچانک اور غیر متوقع طور پر بھٹو حکومت کی حمایت اور سکیم کے ماتحت جماعت کے خلاف سارے پاکستان میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ احمدیوں کا جانی و مالی نقصان ہوا، سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ ان حالات میں

خاکسار نے اپنے بچے ربوہ ایک عزیز مکرم بھائی حسن دین صاحب کے پاس دارالنصر غربی میں منتقل کر دئے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک مکان کرایہ پر لیا گیا وہ بھی خالی کرنا پڑا۔ پھر ایک اور کرایہ پر لیا۔ اسی دوران میری تقرری بطور مربی بیرون ملک غانا (مغربی افریقہ) میں کر دی گئی اور مجھے باہر بھجوا دیا گیا جبکہ مستقل رہائش کا انتظام نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے میرے سفر میں کوئی عذر نہ کیا۔ بعد میں ان کو پھر مکان بدلنا پڑا۔ اس طرح کرنے سے سامان کو بار بار اٹھائے پھرنے سے جہاں اخراجات زیادہ اٹھتے ہیں وہاں توڑ پھوڑ بھی ہوتی ہے۔ اس طرح برتن اور کتابیں بھی ضائع ہوئیں لیکن انہوں نے کبھی شکوہ نہیں کیا اور نہ ہی مجھے پریشانی کا خط لکھا بلکہ ہمیشہ تسلی کا خط لکھتی رہیں۔ آخر کافی عرصہ کے بعد صدر انجمن احمدیہ کا کوارٹر ملنے میں کامیابی ہوگئی۔ الحمدلله۔

جب میرے بڑے بیٹے نصیر احمد قمر صاحب کا رشتہ طے ہوگیا اور نکاح بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کی اجازت سے ہوگیا جو حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (رحمہ اللہ) نے پڑھایا اس وقت میری تقرری افریقہ کے لئے ہوگئی تھی۔ کئی عزیزوں دوستوں نے کہا کہ حضور انور سے اجازت لے لی جائے تا کہ اپنی موجودگی میں شادی کروا کر جائیں۔ ان کی بھتیجی قادیان سے لانی تھی۔ وہ بھی ایک درویش کی پہلی بیٹی تھی۔ اگر حضور انور سے درخواست کی جاتی تو شاید روانگی میں دو چار ماہ کی تاخیر ہو جاتی۔ جب میری رائے پوچھی گئی تو میں نے روانگی میں تاخیر کرنے کو پسند نہ کیا۔ چنانچہ میری بیوی اور بچے خوشی سے حسب پروگرام میری روانگی میں روک نہ بنے اور نہ ہی اس خوشی کو بدمزگی میں بدلا۔ الحمدلله۔ میری عدم موجودگی میں افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بزرگوں نے اس شادی میں شریک ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کی جس کی ان کو بہت خوشی ہوئی اور میرے لئے بھی سکون قلب کا موجب بنے۔

میرے برادر نسبتی اور سمدھی مکرم بھائی خواجہ احمد حسین صاحب درویش قادیان نے بھی شادی کے سلسلہ میں خوب تعاون کیا۔ اپنا اور اپنی فیملی کا ویزا حاصل کر کے بیٹی کو قادیان (انڈیا) سے ربوہ لے آئے اور یہ اصرار نہ کیا کہ لڑکا آئے اور آ کر اپنی بیوی کو لے

جائے۔ ربوہ آکر اپنے بھائی محمد افضل صاحب بٹ کے گھر سے بڑی سادگی اور بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ اپنی بیٹی عزیزہ سلیمہ شگفتہ کو رخصت کر دیا اور کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ انہوں نے بھی چار پانچ ماہ کی تاخیر کی حضور انور سے درخواست نہ کی کیونکہ میری روانگی کے پانچ ماہ بعد شادی انجام پا گئی تھی۔ وہ بھی سلسلہ کی ضرورت کو مقدم رکھنے اور قواعد کی پابندی کرنے کے اصول کے قائل ہیں۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔**

میری مرحومہ بیوی نے تین بیٹیوں کی شادیاں اپنی زندگی میں کیں۔ میری آخری بیٹی امتہ الحیٔ قمر صاحبہ بی اے کی شادی ان کی وفات کے تقریباً تین سال بعد عزیزم لقمان محمد صاحب (واقف زندگی) ابن مکرم خان محمد صاحب (امیر جماعت احمدیہ ڈیرہ غازی خان) سے طے پائی۔ اس کے معاملہ میں بہت فکر مند تھا۔ الحمدللہ رشتہ طے ہو گیا۔ پہلی بچیوں کی تیاری کا مجھے کوئی علم نہیں کہ کیا دیا، کیا تیاری کی۔ میرا خیال تھا کہ ہماری طرف سے بچیوں کو کانٹے اور انگوٹھی کا تحفہ دیا گیا ہے۔ میں نے عزیزہ امتہ الحیٔ کو کہا کہ میں آپ کو وہی زیور تحفہ دوں گا جو آپ کی بہنوں کو آپ کی امّی نے دیا تھا یعنی کانٹے اور انگوٹھی۔ اس پر امتہ الحیٔ نے کہا کہ ابو جان آپ نے میری کسی بہن کو کوئی زیور نہیں دیا اور میں بھی نہیں لوں گی۔ جب میں نے یہ سنا تو میری عجیب کیفیت تھی۔ میں نے مرحومہ کے لئے بہت دعائیں کیں۔ رات جب آنکھ کھلتی میں ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتا رہا۔ صبح بہشتی مقبرہ جا کر ان کے اور ان کے والدین کے مزاروں پر بہت دعا کی کہ اتنی برداشت۔ حالانکہ ان باتوں پر یہ خوشی کے مواقع بعض دفعہ لڑائی جھگڑوں، بدمزگی اور غمی کا موجب بن جاتے ہیں۔ لیکن نہ ماں نے اور نہ ہی ان کی بیٹیوں میں سے کسی نے گلہ شکوہ اور اپنی خواہش کا کبھی اشارہ تک بھی کیا اور نہ یہ دیکھا اور پوچھا کہ دوسری طرف سے کیا آیا ہے۔ اس کا کوئی اظہار نہیں اور نہ ہی ان سے کوئی مطالبہ کیا۔ بیشک انہوں نے اسی طرح کیا جس طرح کامل توکل سے ان کی والدہ نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ ان کو بھی خدا تعالیٰ نے زندگی میں بہت کچھ دیا اور ان کی اولاد پر خدا تعالیٰ کے فضل ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔ **انشاء اللہ۔**

امتہ الحفیظ کو قرآن کریم سے بہت پیار تھا۔ صبح کی نماز کے بعد کبھی ظہر یا عصر کے بعد

بھی تفسیر صغیر سے تلاوت قرآن کریم کرتیں اور پھر اونچی آواز سے ترجمہ پڑھا کرتیں۔ کثرت تلاوت کی وجہ سے اتنی مہارت اور اہلیت تھی کہ اگر کوئی طالبعلم یا تلاوت کرنے والا غلط پڑھتا تو بغیر دیکھے اس کی اصلاح کر دیا کرتی تھیں۔ بہت سے بچوں کو قرآن کریم پڑھایا۔ بدوملہی میں بہت سے بچے پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے ایک غیر احمدی پڑوسی کی بیوی بالکل اَن پڑھ تھیں۔ ان کا محبت سے بچوں کو پڑھانا اور ان کا قرآن سے پیار دیکھ کر اس کو قرآن کریم پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس کو یسرنا القرآن بڑی محنت اور اس کے شوق کو قائم رکھتے ہوئے پڑھایا۔ وہ ایک لفظ بھی اردو کا نہیں جانتی تھی۔ اس کی حوصلہ افزائی اس طرح کی اور محنت بھی کہ پانچ چھ ماہ کے اندر اس نے بڑی روانی اور خوش الحانی سے قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا اور تھوڑے عرصہ میں قرآن کریم مکمل کر لیا۔

موصیہ ہونے کی وجہ سے انہیں علم تھا کہ ہر موصی سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کم از کم دو افراد کو ہر سال قرآن کریم مکمل کروائے۔ اس نیت سے گھر میں بچوں کو پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری رہتا۔ چنانچہ وفات سے پہلے ایک خاتون کو جو شادی شدہ اور کئی بچوں کی ماں ہے اس کو قرآن کریم سیکھنے کے لئے تیار کیا۔ دوسرے محلّہ میں جا کر اس کو با قاعدہ پڑھایا کرتی تھیں۔ طبیعت خراب ہو، موسم ناموافق ہو، انہوں نے وقت نکال کر جانا ہے۔ زندگی میں آخری سفر، جس میں آپ کی وفات ہوئی، پر جانے سے پہلے اس عورت کو تحریک کی کہ میں نے ایک شادی پر جانا ہے۔ میری خواہش ہے کہ تجھے قرآن کریم ختم کروا کر جاؤں اس لئے محنت کر اور زیادہ سے زیادہ سنایا کر۔ چنانچہ جانے سے پہلے اس کو قرآن کریم ختم کروایا اور جلہن ضلع حافظ آباد میں ایک شادی میں شریک ہونے گئی تھیں کہ وہاں ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس طرح یہ ان کا آخری سفر ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ان کی اس محبت قرآن کو قبول فرمائے اور قرآن کریم ان کے حق میں گواہی دے اور اللہ تعالیٰ اپنی صفت عفو اور مغفرت اور ستاری کی چادر میں ان کو لپیٹ لے۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھَا بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَارْفَعْ دَرَجَاتِھَا فِی الْجَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ وَاجْعَلْ لَھَا لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخِرِیْنَ. امین۔

مکرم مولانا بشیر احمد صاحب قمر ابن مکرم عبد الکریم صاحب یکم مئی 1934ء کو چارکوٹ تحصیل راجوری ریاست جموں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے میٹرک، مولوی فاضل اور شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے 9/ اکتوبر 1950ء کو زندگی وقف کی اور جامعہ احمدیہ سے شاہد پاس کرنے کے بعد یکم مئی 1958ء کو آپ کی پہلی تقرری ہوئی۔ 1959ء سے 1975ء تک آپ نے سیالکوٹ، گوجرہ، جڑانوالہ، سرگودھا اور شیخوپورہ میں بطور مربی سلسلہ خدمات سرانجام دیں۔ آپ 6/ستمبر 1975ء کو پہلی دفعہ غانا تشریف لے گئے اور تین ادوار میں دعوت الی اللہ کے میدان میں خدمات کی توفیق پانے کے بعد 22/نومبر 1987ء کو ربوہ تشریف لائے۔ بعدہٗ 13/ستمبر 1990ء تا 24/جون 1993ء آپ فجی میں متعین رہے۔ پاکستان تشریف لانے کے بعد وقف جدید میں بطور استاد مدرسۃ المعلمین خدمات بجالاتے رہے۔ 14/اپریل 1999ء کو آپ کو ناظر تعلیم القرآن و وقف عارضی مقرر کیا گیا اور تا وفات اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔
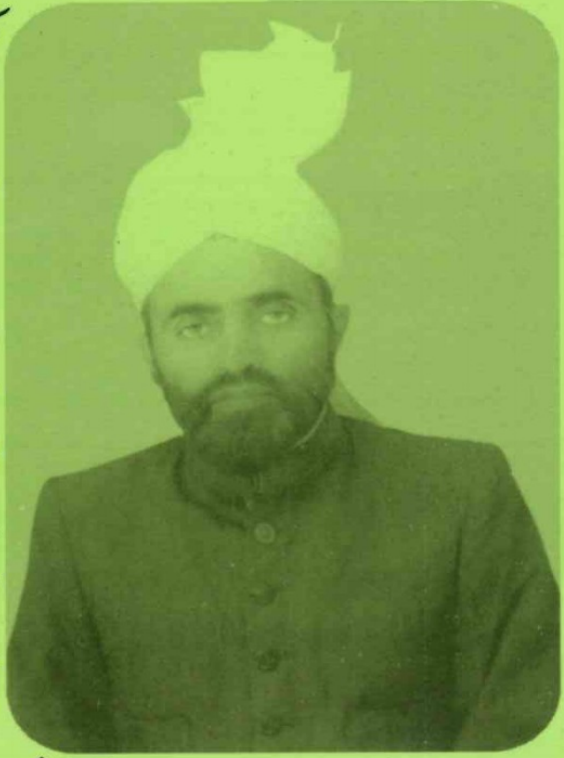
آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ آپ نے 1959ء میں 25 سال کی عمر میں وصیت کی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 10/اکتوبر 2008ء میں آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا:

"مولانا بشیر احمد صاحب قمر جو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ناظر تعلیم القرآن و وقف عارضی تھے۔ ان کی کل 9/اکتوبر کو وفات ہوئی ہے۔ آپ کی عمر 74 سال تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور آخر وقت تک اللہ تعالیٰ نے ان کو خدمت کی توفیق دی۔...... پاکستان میں، غانا میں، فجی میں خدمت کی توفیق پائی۔ آپ کو 1999ء میں ناظر تعلیم القرآن مقرر کیا گیا تھا۔ بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔ بہت سادہ مزاج تھے۔ افریقہ میں میرے ساتھ بھی رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ افریقن لوگوں کے ساتھ بڑا پیار اور محبت کا سلوک تھا۔ بڑے انتھک، محنتی...... بڑے دعا گو، نیک اور متقی انسان تھے۔...... بڑا اخلاص کا تعلق تھا اور بے نفس ہو کر خدمت کرنے والے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے"۔ آمین